مقالاتِ یومِ رضا

حصہ سوم

○ مقالہ نگاران :

ڈاکٹر عابد احمد علی
مفتی اعجاز ولی رضوی
بشیر احمد صدیقی

○ ترتیب و حواشی :

قاضی عبد النبی کوکب

رضا اکیڈمی ـــ دائرۃ المصنفین ۸۔ اردو بازار۔ لاہور

مقالاتِ یومِ رضاؒ

قدس سرہ العزیز

حصہ سوم

فاضل بریلوی اعلیحضرت قدس سرہٗ کے ۵۱ عرس مبارک "یومِ رضا" منعقدہ
۱۱ اپریل ۱۹۷۱ء) کے موقع پر شائع کی گئی۔

ترتیب

قاضی عبد النبی کوکب

مندرجات

		صفحہ
تقدیم	قاضی عبد النبی کوکب	۳
بحضور رضا (منقبت)	" "	۶
مقالہ : فاضل بریلوی اور علامہ اقبال	ڈاکٹر عابد احمد علی	۷
مقالہ : اعلیٰ حضرت کے چند خلفاء	مفتی اعجاز ولی رضوی	۱۴
مقالہ : اعلیٰ حضرت اور تفقہ	جناب بشیر احمد صدیقی	۳۳
مضمون : اعلیٰ حضرت کی ایک کرامت	شیخ حبیب الرحمن	۴۳

طبعِ اوّل — ۱۱ اپریل ۱۹۷۱ء
طابع و ناشر — حکیم قاضی عبد المجتبیٰ ارشد

تعداد — ایک ہزار
کتابت — ادارہ پروینِ کتابت لاہور

مطبع — کنول آرٹ پریس انارکلی لاہور
ھدیہ — ایک روپیہ بیس پیسے

ملنے کا پتہ : رضا اکیڈیمی - دائرۃ المصنفین (مبارک سنز سٹیشنرز) ۸- اردو بازار لاہور

تقدیم

پاک و ہند کے عظیم دینی رہنما مولانا شاہ احمد رضا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی شخصیت، سوانح اور خدمات پر علمی انداز کے مقالات کے سلسلے کی یہ تیسری کڑی مقالات یوم رضا حصہ سوم پیش خدمت کی جا رہی ہے۔ اس سے قبل "مقالاتِ یوم رضا" کے نام سے دائرۃ المصنفین کی پہلی کتاب ۲ جون ۱۹۶۸ء کو اور "مقالات یوم رضا حصہ دوم" کے عنوان سے اس سلسلے کی دوسری کتاب ۲ مئی ۱۹۷۰ء کو طبع ہوئی۔

زیر نظر کتاب (مقالات یوم رضا حصہ سوم) تین مقالات اور ایک تاثراتی تحریر پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں مقالات، مجلس صداقتِ اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" (۲ مئی ۱۹۷۰ء / ۲۵ صفر ۱۳۹۰ھ) کے اجلاس میں خود مقالہ نگار حضرات نے پڑھ کر سنائے چوتھا مضمون (اعلیٰحضرت کی ایک کرامت، از شیخ حبیب الرحمٰن صاحب) البتہ اس اجلاس میں پڑھا نہ جا سکا کیونکہ صاحب مضمون کو اُن دنوں لاہور سے باہر جانا پڑ گیا تاہم انہوں نے مضمون کا خود نوشت مسودہ مجھے بھجوا دیا۔

پہلے مقالے کے مؤلف محترم جناب ڈاکٹر سید عابد احمد علی ہمارے تعلیمی حلقوں میں ایک دیرینہ معزز و محترم معلم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات معراج نبوی (صلی اللہ علی صاحبہا وسلم) کی ایک تقریب میں ہوئی۔ جو پنجاب یونیورسٹی مینارڈ ہال میں ڈاکٹر صاحب کی زیر صدارت منعقد کی گئی اور میں مقررین میں شامل تھا۔ ڈاکٹر صاحب وضع اور لباس سے نہایت ماڈرن دکھائی دیئے مگر گفتگو سُنی تو اُس میں قدیم لوگوں کا سوز و گداز پایا۔ ——————

بعد میں جب

پنجاب پبلک لائبریری میں بیت القرآن[1] قائم ہؤا اور ڈاکٹر صاحب اس کے مہتمم مقرر ہوئے تو انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اسی دَور میں معلوم ہؤا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف تو مولانا سیّد سلیمان اشرف مرحوم کے تلامذہ میں ہیں اور یہ کہ اپنے بچپن میں انہیں اعلیحضرت کی زیارت اور ان کے خطبات سننے کا شرف حاصل ہؤا نیز علی گڑھ میں اپنے زمانہ طالب علمی میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت علاّمہ اقبال مرحوم کی وہ گفتگو سنی جس میں حضرت علاّمہ نے فاضل بریلوی کے بارے میں اظہار خیال فرمایا۔ اس کے بعد تقریباً ہر ملاقات میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے یہ درخواست ہوتی رہی کہ ان قیمتی تاثرات کو محفوظِ تحریر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقالے میں اس امانت کو محفوظ کر دیا ہے جس کے لئے تاریخ و تذکرہ کے لوگ انکے ممنون ہوں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا مقالہ فاضل بریلوی اعلیحضرت قدس سرہٗ پر چند نئی اور وقیع معلومات بہم پہنچانے کے ساتھ ہمیں تاریخ کے اس خاص دَور کی کچھ جھلکیاں بھی دکھاتا ہے۔ جب ہمارے برِّ عظیم میں ہندو مسلم قومیّت کی نظریاتی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اُس پس منظر کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں جس میں مسلم قومیت کے حامی علما "متحدہ ہندی قومیت" کے علمبردار علما اور زعما کے خلاف سخت گیر روش اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کے لئے مقالہ مذکورہ کے یہ دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔

"کانگریس اور گاندھی کے خلاف شدید مذمت اور بیزاری کا رویّہ جس طرح حضرت مولانا بریلوی رح نے اختیار کیا تھا بعینہٖ وہی چیز سیّد صاحب (مولانا سید سلیمان اشرف) میں بھی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ علیگڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کیلئے بلایا تو سیّد صاحب نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو

---

[1] بیت القرآن کا قیام جناب مختار مسعود (اسوقت کے کمشنر قسمت لاہور) کی مساعی سے عمل میں آیا اور اسکے لئے قرآنی لٹریچر کی تلاش اور خریداری کا کام زیادہ تر میری نگرانی میں ہؤا۔ (کوکب)

دھو کر صاف کیا اور اس سلسلے میں سید صاحب کے فکری جہاد کا اندازہ کرنے
کے لئے آپ کی تالیفات "النور" اور "المبین" وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا
ہے۔ ساتھ ہی اس موضوع پر حضرت مولانا احمد رضا خاں کی تالیف المحجۃ
الموتمنۃ بھی پیشِ نظر رہے"

"مجھے مولانا (فاضل بریلوی) کی سخت گیر روش کے بارے میں یہ کہنا
ہے کہ یہ اس دور میں امت اسلامیہ کی ایک بہت بڑی خدمت تھی
علماء کا ایک گروہ گاندھی کی تحریک قومیت کا جس انداز میں ساتھ دے
رہا تھا اگر اس کا مقابلہ بروقت پوری شدت کے ساتھ نہ کیا جاتا تو کسے
معلوم کہ ہماری تحریک آزادی کا آج کیا حشر ہو چکا ہوتا۔"

دوسرا مقالہ مولانا مفتی اعجاز ولی الرضوی کا تحریر کردہ ہے جس میں انہوں نے
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے چند خلفا اور تلامذہ کا مختصر تذکرہ کیا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا
ہے کہ کیسے کیسے اعاظم رجال اس عظیم و مقتدر شخصیت سے فیضیاب ہوئے۔ حقیقت یہ
ہے کہ اعلیحضرت کے خلفاؤ تلامذہ کے تذکرے کے لئے بڑی ضخیم تالیف کی ضرورت ہے۔

تیسرے مقالے میں میرے فاضل دوست جناب بشیر احمد صدیقی نے اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی کے کمال تفقہ پر ان کے "فتاویٰ رضویہ" کے حوالے سے بعض وقیع پہلوؤں
کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مقالے کے پہلے حصے میں فقہ اسلامی پر تمہیدی گفتگو بھی جامع
اور پُر مغز ہے۔

مجھے اس بات پر دلی مسرت ہے کہ مجلس صداقتِ اسلام کی تحریک "یوم رضا"
الحمد للہ، اب وسیع تر حلقوں میں پھیلتی جا رہی ہے۔ ہمارے احباب مسلک
نے بعض دوسری تنظیموں کے نام سے "یوم رضا" منعقد کرنے شروع دیئے ہیں اور ہمارے
بعض اہل علم دوست اس سلسلے کے لٹریچر کی اشاعت کی طرف بھی متوجہ ہو رہے ہیں۔

میری دعا ہے کہ ہماری اور ہمارے دیگر احباب کی یہ مساعی اسلاف کے گرانقدر آثار کی حفاظت اور ان کے صحیح تعارف کیلئے مفید ثابت ہوں۔

قاضی عبد النبی کوکب

۳، اپریل ۱۹۷۱ء

بہ حضورِ رضا

(منقبت بہ حضور اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ)

تیرا اخلاص، تیرا سوز دروں — آئینہ دارِ شمعِ عشقِ رسول

لہلہاتے ہیں میرے دیس میں آج — تیری نعتِ نبی کے روشن پھول

کھل گیا باغِ سنّت و تفسیر — فقہِ احناف پھر ہوئی مقبول

پا گئے تازگی علوم و فنون — تجھ سے اے جامعِ فروع و اصول

پرچمِ حق جو تو نے لہرایا — صفِ باطل ہوئی ذلیل و خذول

درس و فتویٰ مواعظ و تصنیف — ہیں خزانے ترے سبھی انمول

ایک دنیا بسائی ہے تو نے — ہو نہ لاحق جسے زوال و خمول

تیری گفتار، شرحِ دینِ مبین — تیرا کردار، نقشِ خوئے رسول

اے رضا! کوکبِ سپہرِ کمال!
منقبت یہ فقیر کی ہو قبول

(کوکب)

ڈاکٹر عابد احمد علی ایم۔اے (علیگ) ڈی۔فِل (آکسفورڈ)
مہتمم بیت القرآن۔ پنجاب پبلک لائبریری۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ ونصلی علےٰ حبیبہ الکریم۔ ونعوذ باللہ من شرورِ انفسنا وَمِن سیّاٰتِ اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا اِلٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ وَنشھد اَنَّ سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ہ

صدر محترم، عزیزان گرامی قدر اور واجب الاحترام علماء

آج ہم پاک و ہند کی ایک بہت بڑی دینی شخصیت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے پچاسویں یوم وصال کی تقریب میں جمع ہوئے ہیں۔ میرے حافظے میں حضرت مولانا کے بارے میں کچھ قیمتی تاثرات محفوظ ہیں۔ جن میں کچھ تاثرات براہ راست بطور مشاہدہ مجھے بچپن کے زمانے میں حاصل ہوئے اور کچھ تاثرات اپنے دور طالبعلمی میں، ڈاکٹر اقبال مرحوم اور مولانا شاہ سلیمان اشرف مرحوم کی وساطت سے مجھے حاصل ہوئے۔ میرے فاضل عزیز قاضی عبدالنبی کوکب صاحب مجھے بہ اصرار کہتے رہے کہ آپ یہ علمی امانت قلم بند کر دیں اور اسے دوسروں تک پہنچا دیں تاکہ تاریخ و تذکرہ کی

دنیا میں اس کی حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ آج اسی مشورے پر عمل کرتے ہوئے یہ چند سطور پیش خدمت کر رہا ہوں۔

ع فالدّرُ یزداد حُسنًا وھو منتظم

[موتیوں کو جب پرو دیا جائے تو ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے]

صاحب عرس کے بارے میں میرے براہ راست تاثرات اس دور کے ہیں جب میرے والد ماجد سیّد احمد علی مرحوم بریلی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ میری عمر اُس وقت تقریباً نو برس کی تھی۔ والد مرحوم بسلسلہ ملازمت کوئی اڑھائی سال کے لگ بھگ بریلی میں مقیم رہے۔ اس دوران میں والد نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے ہمیشہ بریلی کی جامع مسجد نومحلہ میں تشریف لے جاتے اور میں بھی اکثر آپ کے ساتھ ہوتا۔ اکثر و بیشتر ہمیں دوسری تیسری صف میں بیٹھنے کا موقع مل جاتا۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے۔ منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیہ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا، بلند قامت خوبرو اور سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اُس وقت سفید ہو چکی تھی مگر نہایت خوبصورت تھی، آواز از حد شیریں اور گداز تھی۔ آپ کا وعظ نہایت موثر ہوتا تھا۔ میں اگرچہ بچہ تھا مگر اس کے باوجود آپ کے مواعظ میں میرے لئے کوئی کشش ضرور تھی۔ اکثر مجھ پر انہماک سا طاری ہو جاتا اور حاضرین کی کیفیت تو اس سے بڑھ کر ہوتی تھی مجھے یہ بھی محسوس ہوتا کہ طبیعت کے اعتبار سے آپ کا وعظ خاصا مفصل اور طویل ہوتا ہو گا مگر وہاں خطبہ جمعہ حاضرین کی سہولت کیلئے اکثر مختصر فرما دیتے۔ کچھ آپ کا اس طرح کا فقرہ بھی میرے حافظے میں رہ گیا ہے۔ فرماتے: "میری آواز میں خستگی ہے مگر میں آپ لوگوں کے خیال سے کلام کو لمبا نہیں کرتا۔"

وعظ میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے، آپ حکایاتِ ماثورہ بھی بیان فرماتے مگر آپ کے

مواعظ کی اصل بنیاد آیات اور احادیث پر قائم ہوتی تھی۔ اب میرے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے، کاش اُس دور میں آپ کے مواعظ حسنہ کو محفوظ کر لیا جاتا تو یہ ہمارے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہوتا۔

مولانا مرحوم کے بارے میں میرے بالواسطہ تاثرات کا ایک وقیع اور قیمتی حصہ وہ ہے جو مجھے اپنے استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف کی وساطت سے حاصل ہُوا۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں مجھے برسوں ان کی مربیانہ صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا۔ وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت سے از حد متاثر تھے۔ اسی دور کی دو اور شخصیتوں کو ساتھ ملا کر سید صاحب فرمایا کرتے "ان تین ہستیوں کو دیکھ لینا چاہیئے پھر ایسے لوگ نہیں ملیں گے۔"

استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف پر حضرت مولانا بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی عظیم شخصیت کا اندازہ دراصل استاذ محترم کی شخصیت ہی سے لگایا۔ مجھے مولانا سلیمان اشرف سے شرف تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی حاصل رہا۔ اور میں دیکھتا کہ وہ اکثر حضرت مولانا بریلوی کا ذکر خیر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر انہی کے تصور میں مگن رہتے حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت انہی کے رنگ میں رنگی گئی تھی۔ وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں، خوش کلامی اور قوت بیان میں، حضرت مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعائر کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ "مشرکین کو نجس سمجھنا اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا" یہ سب صفات، دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔ اسی طرح عشق رسول ﷺ کے معاملے میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سید صاحب میں حضرت فاضل بریلوی ہی کی طرف سے آیا تھا۔ لباس اور وضع قطع

میں بھی استاذ محترم حضرت مولانا کا تتبع فرماتے تھے، حتیٰ کہ مجھے یاد ہے کہ آپ عمامہ بھی اسی انداز کا رکھتے، جیسا کہ حضرت مولانا مرحوم استعمال فرماتے تھے۔

کانگریس اور گاندھی کے خلاف شدید مذمت اور بیزاری کا رویہ جس طرح حضرت مولانا بریلوی نے اختیار کیا تھا بعینہٖ وہی چیز سید صاحب میں بھی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ علیگڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کے لئے بلایا۔ تو سید صاحب نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو دھو کر صاف کیا اور اس سلسلے میں سید صاحب کے فکری جہاد کا اندازہ کرنے کے لئے آپ کی تالیفات "النور" اور "المبین" وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس موضوع پر حضرت مولانا احمد رضا خاں کی تالیف "المحجّۃ المؤتمنۃ" بھی پیش نظر رہے۔

بالواسطہ تاثرات کا بقیہ حصہ وہ ہے جس کا تعلق حضرت علامہ اقبال مرحوم سے ہے علیگڈھ میں سید راس مسعود کے بلانے پر اقبال اکثر جایا کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کا زمانہ وہ ہے جس میں اقبال تقریباً ہر سال علیگڈھ گئے ہوں گے۔ اس عرصے میں ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہہ بمشکل ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں، ان کی طرف منسوب سخت گیر رویّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آپڑتی تو ان کا وقت اور علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لئے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً

وہ اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے [1]

یہ وہ رائے تھی جو اقبال مرحوم، حضرت مولانا قدس سرہٗ کے بارے میں رکھتے تھے۔ مجھے مولانا کی سخت گیر روش کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ یہ اُس دور میں امتِ اسلامیہ کی ایک بہت بڑی خدمت تھی۔ علماء کا ایک گروہ گاندھی کی تحریکِ قومیت کا جس انداز میں ساتھ دے رہا تھا اگر اس کا مقابلہ بروقت پوری شدت کے ساتھ نہ کیا جاتا تو کسے معلوم کہ ہماری تحریک آزادی کا آج کیا حشر ہو چکا ہوتا؟ مجھے اس دَور کی صورت احوال کا اچھی طرح سے اندازہ ہے اور استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف کی بے تابیاں بھی میرے ذہن پر نقش ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو شاید کسی دوسرے موقع پر کچھ مزید مفصل باتیں عرض کر سکوں۔

میرا آخری تاثر اس سلسلے میں یہ ہے کہ میں علماء کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہوں ایک وہ جو محض اپنی محنت سے رتبہ کمال پر پہنچتے ہیں اور دوسرے وہ جو فطری طور پر غیر معمولی ذہین اور طبّاع ہوتے ہیں۔ جنہیں انگریزی میں (GENIUS) کہا جاتا

---

[1] محترم ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب کے ذریعے سے علامہ اقبال مرحوم کے یہ تاثرات پنجاب یونیورسٹی میں لکھے گئے ایک مقالے میں بھی نقل کئے گئے ہیں۔ اعلیٰحضرت پر یہ مقالہ جناب محمد صدیق اکبر نے ایم۔ اے اسلامیات ۱۹۶۸ء کے لئے لکھا تھا۔ مقالہ مذکورہ میں یہ تاثرات قدرے مختلف الفاظ میں درج ہیں مگر مفہوم میں کوئی بنیادی فرق نہیں البتہ اس میں علامہ مرحوم کے حسب ذیل الفاظ مزید ہیں۔" مولانا (یعنی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ) ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے لہٰذا انہیں شرعی فیصلوں اور فتاوٰی میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔" دیکھئے مقالہ مذکورہ ص ۵، (کوکب)

ہے۔ میرے نزدیک حضرت مولانا احمد رضا کا شمار اس دوسرے گروہ میں ہوگا۔ اس کے بعد توفیق خداوندی نے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دینی وملی خدمات کے راستے پر ڈال کر انہیں عظیم تر بنا دیا۔ یقیناً مولانا برصغیر ہند و پاک کی اُن ممتاز شخصیتوں میں ہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل، غیر معمولی صلاحیتوں اور پھر اپنی مسلسل تبلیغی جد وجہد سے اس برصغیر کے مسلمانوں کے دینی و تہذیبی شعور کو بیدار کیا اور عملی طور پر انہیں جذبۂ اسلامی سے سرشار کر دیا۔

ہر نامور شخص کے کارناموں کی قدر و قیمت جانچنے کے لئے دو چیزوں کا پیشِ نظر ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ اس زمانے کے ماحول کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے۔ دوم یہ غور کیا جائے کہ اگر بالفرض وہ بزرگ ہستی اس دور میں معرضِ وجود میں نہ آتی تو اس خلا کو کون پُر کرتا اور اگر یہ خلا پُر نہ ہو سکتا تو دینی و قومی اعتبار سے اس کے کیا خطرناک نتائج پیدا ہوتے۔ ان معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں تو مولانا کی جامع شخصیت وقت کی پکار کا صحیح جواب تھی اور اس دَور کے جو دینی و ملی تقاضے تھے ان کو پورا کرنے میں آپ نے بے مثل کردار ادا کیا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بریلویؒ عشقِ رسول کے جذبے سے اس حد تک سرشار تھے کہ اس کے سامنے وہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے اور میرا یہ تاثر اس لئے ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا سلیمان اشرف کو بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا پایا۔ جو کہ مولانا بریلوی کے خلفاء میں تھے اپنے بزرگوں کی شخصیت میں عشقِ رسولؐ کا یہ والہانہ جذبہ ہمارے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ میں اس پہلو پر بہت غور کرتا رہا ہوں اور آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہر چیز کا ایک IRREDUCABLE MINIMUM ہوتا ہے اور اسلام میں اس نوعیت کا معیار دو چیزوں پر مبنی ہے۔ (۱) عقیدۂ توحید و حُبِّ الٰہی۔ (۲) ایمان بالرسالتؐ، عشقِ رسولؐ۔ اس کے بعد اب یہ غور کریں کہ آج ہم میں سے کون

ہے جوان معیاروں میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے پاسنگ بھی ہو سکتا ہو۔

بقاء ملت کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے کہ اس کا ملی شعور شدّت ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ایک گونہ تعصب کی حد تک بیدار اور مستحکم رکھا جائے تاکہ ملت کی انفرادی حیثیت منفرد اور قائم رہے۔ جس دَور میں مولانا بریلوی موجود تھے اس کا سب سے بڑا تقاضا یہی تھا اور مولانا مرحوم ومغفور نے اس مقصد کے لئے نہایت پامردی کے ساتھ کام کیا۔ ورنہ ہمارے بڑے بڑے علماء کے قدم اس وقت ڈگمگا گئے تھے۔ مولانا نے درا صل ملی شعور کی تازگی اور بقا کے لئے ایک تحریک پیدا کردی تھی۔ ان کی یہ تحریک بعد میں بھی جاری رہی۔ جس میں استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم نے بھی بہت کام کیا جس کا میں ذاتی طور پر گواہ ہوں۔ یقیناً آپ کے دیگر خلفاء بھی اس تحریک کے سرگرم رکن ہوں گے۔

(تمت بالخیر)

شیخ الفقہ مفتی اعجاز ولی خاں صاحب رضوی

اعلیٰحضرت کے چند خلفاء

اَللہُ اَحمدہ علیٰ رضاہ واصلی واسلم علیٰ مصطفاہ وَعلیٰ اٰلِہٖ وصحبِہٖ والحامدین لرضاہ وعلیٰ علماء ملتہٖ وَالمجددین لدینہ وعلیٰ من وَالاہ ؛

کروڑ کروڑ حمد وبے نہایت درود وسلام کے بعد فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر اپنے مرشدِ طریقت، امام اہل سنّت، مجدد دین و ملت، شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین، آیۃ من آیات رب العالمین اعلیٰحضرت عظیم البرکت، رفیع الدرجت، آقائے نعمت عمی واستاذی سیدی و سندی، علامہ یگانہ غوثِ زماں مولانا شاہ عبد المصطفےٰ **محمد احمد رضا خان** ادخلہ اللہ فی دار الجنان کے پچاسویں عرس مقدس کے موقع پر چاہتا ہے کہ آج کی صحبت میں اس تابندہ شخصیت اور اہل سنت کے مونس و تاجدار کی ذات کریمہ پر گفتگو کے بجائے آپ کے صحبت و فیض یافتہ کثیر تلامذہ و خلفاء میں سے چند باوقار افراد و اعیان کا ذکر کروں۔

سیدی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے چون ۵۴ سالہ دورِ تبلیغ وارشاد میں بے شمار افراد نے فیض پایا۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی چالیس سال کامل جاری رہا اور صدہا علماء ذی اقتدار نے زانوئے تلمذ طے کیا اور لاتعداد فضلاء کبار نے سلاسل حدیث و سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل کی ۱۳۲۳-۲۴ھ تک جبکہ دو کتابیں خاص اسی غرض سے معرض تحریر میں آئیں ایک :

الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیۃ

۳ ۲ ۱۳ ھ

اور دوسری:

الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ

۲۴ ۱۳ ھ

کئی ہزار افراد سلسلہ رضویہ میں منسلک ہو چکے تھے۔

خلفاء و تلامذہ کی صحیح تعداد اس وقت میں نہیں بتا سکتا اور اگر صرف نام و مقام ہی بتانا شروع کروں تو آج کی ساری گفتگو کا وقت صرف ہو جائے اور پھر بھی احباب و اصحاب کے پورے نام و مقام نہ بیان کر سکوں گا۔

اس لئے آج کی صحبت میں اُن مقتدر فضلاء و شیوخِ طریقت و زعماء ملت کا ذکر کروں گا جنہوں نے مرشدِ طریقت اعلیحضرت قدس سرہٗ سے فیضیاب ہونے کے بعد مختلف اکناف و اطرافِ عالم میں رشد و ہدایت کے مراکز قائم کئے اور اس نعمان الہند فی ہذا الزمان کے پیغام کو براعظم افریقہ و یورپ و امریکہ میں پھیلایا اور عرب و عجم کو اس مجدد برحق کے تجدیدی کارناموں سے متعارف کرایا۔

اس تذکرہ میں چونکہ تلامذہ خلفاء کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام بحساب اعداد جمل سنہ ہجری

تلامذۃ مجدد الاسلام

۱۳۹۰ ھ

اور بحساب سنہ میلادی شمسی

خلفا تلامذۂ امام

۱۹۷۰ ء

تجویز کر رہا ہوں ! اور بغیر کسی تمہید کے خلفاء و تلامذہ کا ذکر کرتا ہوں۔

۱ : حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد عرف حامد رضا خاں قدس سرہ

سنہ ۱۲۹۲ھ میں ماہ ربیع الاول شریف میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے وقت نام محمد رکھا گیا۔ بعد میں عام پکارنے اور کہنے کے لئے حامد رضا نام تجویز فرمایا گیا۔

یہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سب سے بڑے فرزند ارجمند تھے جو اپنے پدر بزرگوار کا پورا نمونہ تھے، تمام کتب اپنے والد ماجد سرکار اعلیحضرت سے پڑھیں اور انیس ۱۹ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی ادب پر وہ ملکہ حاصل تھا کہ علمائے عرب و عجم نے آپ کی عربی دانی پر داد تحسین دی ہے۔

ستر برس کی عمر شریف پائی اور تئیس ۲۳ سال مسند خلافت و سجادہ نشینی امام اہل سنت پر فائز رہ کر ۱۷ ر جمادی الاول سنہ ۱۳۶۲ھ کو عین حالت نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہتے ہوئے دار السلام کو سدھارے بحساب زبر بنیات حامد رضا سے تاریخ وفات نکلتی ہے گویا مجدد اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے فرزند کا نام محمد باعتبار سنہ ولادت اور حامد رضا بحساب سنہ وفات رکھ کر یہ ظاہر فرما دیا تھا کہ یہ میرا نور نظر و لخت جگر ستر سال کی عمر پائے گا اور فرمایا ہ حامد منی انا من حامد : حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے برس ہا برس دار العلوم منظر اسلام میں درس حدیث دیا اور لاکھوں مسلمانوں کو سلسلہ رضویہ میں منسلک کر کے دین حق کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ صاحب کرامات برگزیدہ ولی ہوئے اور اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ کی سچی تصویر تھے۔ حسن و جمال میں یکتائے روزگار، زہد و تقویٰ میں بے مثال، عزم و ارادہ کی پختگی

میں بے نظیر کردار کے حامل تھے۔ آپ صاحبِ[۱] تصانیف ہیں۔

پاک و ہند میں آپ کے بے شمار تلامذہ و خلفاء پائے جاتے ہیں۔ بہت سے غیر مسلمین آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے۔

۲۔ عبدالاسلام مولانا شاہ سیّد محمد عبدالسّلام قادری رضوی قدّس سرّہٗ

آپ علاقہ سی پی و برار میں مرجعِ شریعت و طریقت تھے۔ اپنے والد بزرگ حضرت مولانا شاہ سیّد عبدالرزاق صاحب سے شرفِ بیعت و تلمذ رکھتے تھے۔ نیز سیّدی اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ سے خلافت پاکر آپ کے اعاظم خلفاء میں شمار ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ تبلیغ بہت ہی ارفع رہا اور سیّدی اعلیٰ حضرت نے آپ کو عبد الاسلام کا لقب عطا فرمایا۔

جمادی الاول ۱۳۶۳ھ میں وصال فرمایا۔ ان کے بارے میں سرکار اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔ ؎

عبدِ سلام سلامت جس سے
سخت آفات میں آتنے یہ ہیں

۳۔ ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفرالدین صاحب بہاری قدّس سرّہٗ

سیّدی اعلیٰ حضرت کے بڑے ہی خاص تلمیذ عزیز و خلیفہ ہیں، اعلیٰحضرت خاص شفقت سے انہیں ولدی الأعزّ فرمایا کرتے تھے۔ پٹنہ یونیورسٹی میں حدیث و ہیات کے صدر رہے۔ بڑی کتابیں تصنیف فرمائیں اور مسلک حنفی کے مطابق ذخیرہ احادیث فرماکر

---

[۱] مسئلہ ختم نبوت پر آپ کی ایک علمی تالیف الصادم الرّبانی علیٰ اسراف القادیانی اور مسئلہ اذان جمعہ پر ایک رسالہ "سدّ الفزاد" طبع ہو چکے ہیں۔ منطق میں رسالہ ملا جلال پر آپ کا حاشیہ مخطوط شکل میں محفوظ ہے۔ نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ حال ہی میں طبع ہوئے ہیں۔ (کوکب)

اُسے الصحیح البہاری سے موسوم کیا جس کی کچھ جلدیں چھپ چکی ہیں [1]

حصول پاکستان میں نمایاں حصہ لیا۔ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس" منعقدہ اپریل ۱۹۴۶ء میں سرگرم کارکن کی حیثیت سے شریک رہے۔ جمادی الاخری ۱۳۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اخلاف میں ہزاروں مریدین و تلامذہ چھوڑے۔ آپ کے اکلوتے فرزند جناب مختارالدین احمد آرزو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں صدر شعبہ اردو ہیں۔ اعلیٰحضرت نے مولانا ظفرالدین بہاری کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ؎

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے

اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

---

[1] اس مجموعہ حدیث کا پورا نام "جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری" ہے۔ کتاب چھ مجلدات پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل: عقائد، جلد دوم: طہارت وصلوٰۃ، جلد سوم: زکوٰۃ وصوم وحج، جلد چہارم: کتاب النکاح تا وقف، جلد پنجم: کتاب البیوع تا غصب، جلد ششم: کتاب الشفعہ تا فرائض۔ ان میں سے ہر جلد تقریباً نو سو صفحات کی ضخامت رکھتی ہے اور نو سو سے دس ہزار کے درمیان احادیث پر مشتمل ہے، یعنی پوری کتاب تقریباً ساٹھ ہزار احادیث کا مجموعہ ہے۔ طباعت کے وقت جلد دوم سے آغاز کیا گیا اور اسے چار حصوں میں تقسیم کر کے چھاپا گیا۔ غالباً بقایا مجلدات ابھی طبع نہیں ہو سکیں۔ مطبوعہ جلد کا پہلا اور دوسرا حصہ ۱۹۳۲ء میں، تیسرا ۱۹۳۷ء میں اور چوتھا ۱۹۳۸ء میں مولف کے صاحبزادے محمد مختارالدین احمد آرزو کی طرف سے پٹنہ عظیم آباد کے برقی پریس میں طبع کرایا گیا۔ حصہ چہارم کے آغاز پر رئیس الفقہا حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی تقریظ بھی درج ہے اس کے ساتھ مولف کی دیگر ۴۸ تالیفات کی ایک فہرست بھی اس حصے میں شامل ہے۔

مرحوم مؤلف مولانا بہاری کی ایک اہم تالیف حیات اعلیٰحضرت (مظہر المناقب ۱۹۳۸ء) کی جلد اول بھی مطبوعہ ہے جو اعلیٰحضرت قدس سرہٗ پر مواد اور معلومات کے اعتبار سے ابھی تک ایک بنیادی ماخذ ہے اگر پروفیسر مختارالدین احمد آرزو، حیاتِ اعلیٰحضرت کا باقی ماندہ حصہ شائع کرنے کی طرف جلد متوجہ ہوں تو یہ ان کی ایک بہت بڑی علمی و دینی خدمت متصور ہوگی۔ (کوکب)

۴ - صدر الشریعت بدر الطریقت علامہ الحاج حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی قدس سرہ

آپ اعظم گڑھ یوپی کے ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپوری تلمیذ سلطان المجاہدین مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلۂ تلامذہ میں ہیں۔ حدیث شریف حضرت اسد السنۃ مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے بعد بارگاہ رضوی سے منسلک ہوئے فقہ و حدیث کے علاوہ دیگر تمام علوم میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ اعلیحضرت کے ہاتھ بیعت ہوئے اور خلافت سلسلہ رضویہ و اجازت حدیث سے مستفیض ہوئے۔ دار العلوم سلسلۂ رضویہ منظر اسلام میں برسوں حدیث اور دوسرے فنون کی تعلیم دی۔ بارہ سال اجمیر مقدس میں صدر المدرسین رہے۔ تصانیف کثیرہ میں طحاوی شریف کا حاشیہ بہت ہی عجیب و عظیم ہے۔ حنفی فقہ میں بہار شریعت کے سترہ حصص اردو میں تصنیف فرما کر ملت مسلمہ پر وہ احسان فرمایا ہے جس کا جواب نہیں۔ بارادہ سفر حج بمبئی میں ۲ ذی قعدہ سنہ ۱۳۶۸ھ کو وصال فرمایا۔ سیدی اعلیحضرت نے ان کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے ؎

میرا امجد مجد کا پکا

اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

۵۔ بہار شریعت کی پہلی جلد سنہ ۱۳۳۴ھ میں مطبع اہل سنت بریلی میں شائع ہوئی اور آخری جلد (۱۷) سنہ ۱۳۶۴ھ میں مکمل ہوئی۔ سنہ ۱۳۶۵ھ میں اس کتاب کے حقوق اشاعت لاہور میں غلام علی اینڈ سنز کے نام منتقل کر دیئے گئے۔ شروع کی بعض جلدوں میں اعلیحضرت قدس سرہٗ کی تقریظ بھی شامل ہے۔ (کوکب)

۵۔ صدر الافاضل استاذ العلماء سیّد محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہٗ

آپ ۱۳۰۰ھ میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ مولانا علامہ محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علوم کی تکمیل کی۔ صاحب طرز انشاء نگار ادیب اور بڑے ذوق والے بزرگ تھے۔ سیّدی امام اہل سنّت کے بڑے ہی بااعتماد خلفاء میں ہیں۔ چونکہ آپ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی و مبلغ تھے۔ اس لئے جب چودہری رحمت علی اور علامہ اقبال نے پاکستان کا خاکہ تیار کیا تو صدر الافاضل نے پورے ولولے اور شوق سے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ بنارس میں پانچ ہزار علماء و مشائخ کو جمع فرما کر پاکستان کی حمایت و تائید کا اعلان فرمایا اور تازندگی دین حق کی اشاعت و تبلیغ فرماتے رہے۔ مذاہب باطلہ بالخصوص آریہ دھرم کے مبلغین و مناظرین سے بہت سے مناظرے کئے بالآخر ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کو اپنے محبوب و مطلوب سے جا ملے۔ سیّدی اعلیٰ حضرت نے ان کے لئے ارشاد فرمایا ہے ؎

میرے نعیم الدین کو نعمت

اس سے بلائیں سانتے یہ ہیں

آپ کے والد ماجد مولانا معین الدین رحمۃ اللہ بھی سلسلہ رضویہ میں منسلک تھے۔

صدر الافاضل کی تفسیر خزائن العرفان آپ کے فضل و کمال کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ تفسیر اعلیٰحضرت کے ترجمۂ قرآن عزیز کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے حاشیہ پر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کتب و رسائل تصنیف و تالیف فرمائے ہیں [۱]۔

---

[۱] حضرتِ صدر الافاضل قدس سرہٗ العزیز نے دینی موضوعات پر بھی نہایت سلجھے ہوئے انداز میں متعدد تالیفات مرتب فرمائیں اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی و ملی مسائل پر بھی وقیع لٹریچر پیدا کیا۔ دینی موضوعات میں آپ کی چند تالیفات یہ ہیں (۱) الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ

(باقی اگلے صفحہ پر)

۶۔ آفتابِ جیلانی حضرت علامہ سید شاہ ابو المحمود مولانا سید احمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی قدس سرہٗ

سیدی اعلیٰ حضرت کے اجلہ تلامذہ میں ہیں۔ نہایت درجہ شکیل وجیہہ مرجع شریعت و طریقت اور سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قصیدہ معراجیہ کے شارح تھے۔ برسہا برس جامعہ اشرفیہ روح آباد شریف میں مسند درس پر فائز رہے۔ لاکھوں کا حلقہ ارادت تھا۔ اپنے والد ماجد حضرت اقدس مولانا سید شاہ ابو احمد علی حسین شاہ صاحب اشرفی قدس سرہٗ کی حیات شریف میں ۱۳۴۴ھ وصالِ حقیقی کے جام نوش فرماتے ہوئے واصل

(پچھلے صفحہ سے آگے) اس کتاب میں علم غیب کے مسئلے کو نہایت واضح استدلالات کے ساتھ منقح کر دیا گیا ہے (۲) اسواط العذاب علی قوامع القباب جب حرمین شریفین میں مزارات اور قبے گرانے شروع کئے گئے اور اس کی حمایت میں پاک وہند کے بعض لوگوں نے تحریک پیدا کرنی چاہی تو اس المناک رجحان کے خلاف یہ رسالہ تالیف کیا گیا۔
(۳) سوانح کربلا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور متعلقہ واقعات پر مستند و مدلل کتاب ہے۔
(۴) تفسیر قرآن مجید۔ یہ تفسیر خزائن العرفان جس کا ذکر مقالہ میں کیا گیا ہے، سے علاوہ، آپ کی مفصل تفسیر ہے۔ جس کی اقساط ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ (۵) کتاب العقائد۔ اس میں جملہ معتقداتِ اہل سنت نہایت سلیس اور عام فہم اردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں

جو مسائل اور فتنے اس دور میں ابھرتے رہے آپ کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول رہی۔ آریہ دھرم کے فتنہ پرور مناظرین ومبلغین مسلمانوں میں ارتداد کی لہریں پیدا کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت صدر الافاضل نے رام چندر آریہ، شردھانند اور دھرم بھکشو وغیرہ کا، میدان مناظرین تعاقب کیا۔ اول الذکر سے آپ کے مناظرے کی کاروائی مطبع اہل سنت بریلی میں شائع ہوئی تھی، علاوہ ازیں آپ کی نگرانی میں مراد آباد سے ایک ماہوار پرچہ "السواد الاعظم" کے نام سے سالہا سال تک نکلتا رہا، اسی پرچے میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کے قیمتی مضامین اور اداریئے شائع ہوتے رہے چنانچہ شعبان سنہ ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰ء) کے شمارے میں علامہ اقبال مرحوم کے خطبۂ الٰہ آباد پر اداریہ لکھا گیا جس میں دو قومی نظریہ اور تقسیم ملک کی واضح تائید و حمایت کی گئی۔ (کوکب)

الی الحق ہوئے ۔ سیدی اعلیحضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا :

احمد اشرف حمد و شرف سے

اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

[یہاں آپ کے بھانجے حضرت ابوالمحامد سیّد محمد اشرفی محدّث کچھوچھوی قدس سرہٗ کا مختصر تذکرہ بھی ساتھ شامل کیا جا رہا ہے ۔ آپ کو باقاعدہ تلمذ حضرت مولانا وصی احمد محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا لیکن فتویٰ نویسی کی خدمت پر بریلی تشریف لے گئے تو اعلیٰحضرت سے کثیر استفادہ کا موقع مل گیا ۔ حضرت محدث کچھوچھوی علوم و فنون پر وسیع نظر رکھتے تھے ۔ خطابت میں منفرد انداز کے مالک تھے ۔ جو آپ ہی کے ساتھ ختم ہو گیا ۔ اعلیٰحضرت پر آپ کا ایک خطبہ "مقالات یوم رضا" حصہ اوّل میں شامل ہے ۔ کوکبؔ]

۷ ۔ استاذ المحدّثین خاتم الاکابرین حضرت مولانا سید شاہ ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ باعتبار عمر سیدی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے ہم عصر علماء کرام میں تھے سرکار اعلیٰحضرت سے شرفِ خلافت رکھتے تھے اور ان کے مشن کی تبلیغ و ہدایت کے لیے پہلے آگرہ پھر لاہور میں وہ نمایاں کام انجام دیئے جس سے لاہور کے در و دیوار گونج گئے ۔

آپ نے دو یادگار فرزند ارجمند غازیٔ کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات قدس سرہٗ اور مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات مدظلہ چھوڑے اور دارالعلوم حزب الاحناف قائم فرمایا ۔ آپ نے رجب ۱۳۵۴ھ کو رحلت[۱] فرمائی ۔ سرکار امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ؎

مولینا دیدار علی کو   کب دیدار دکھاتے یہ ہیں

۸۔ شیخ طریقت قطب وقت حضرت علامہ شاہ احمد مختار صاحب صدیقی رضوی قدس سرہٗ

سرکار اعلیٰ حضرت کے اجلۂ خلفاء میں ہیں مدت العمر تبلیغ و ارشاد میں گزاری اور برصغیر ہند کے علاوہ افریقہ۔ جزائر انڈونیشیا میں تبلیغی مراکز قائم کئے اور لاکھوں غیر مسلموں کو داخل اسلام فرمایا۔

تقریر کا انداز نہایت شیریں تھا۔ جزائر انڈونیشیا میں عید میلاد کی تقریر سے فارغ ہو کر باوضو رحلت فرمائی۔ سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے

مجبور احمد مختار ان کو کرتا ہے مرجاتے یہ ہیں

۹۔ مبلغ اعظم سیاح عالم حضرت علامہ شاہ علیم الرضا مولانا عبد العلیم میرٹھی صدیقی قدس سرہٗ

آپ پر سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی خاص نظر کرم تھی اور آپ کے محبوب ترین خلفاء و تلامذہ میں تھے۔ سرکار اعلیٰ حضرت کے حکم پر ممالک مغربی افریقہ، امریکہ، چین، و جاپان میں تبلیغ اسلام فرمائی۔ جزائر انڈونیشیا میں لاکھوں مرید آپ کے پائے جاتے ہیں۔ لاکھوں افراد کو کلمہ اسلام پڑھا کر مسلمان بنایا۔ دنیا کی مختلف زبانوں پر پورا عبور حاصل تھا۔ یورپ کی مشہور "سائنس کانفرنس" میں پوری دنیائے عیسائیت کو مبہوت کر دیا جب کہ آپ نے اپنی تقریر میں قرآن عزیز سے استدلال کرتے ہوئے یہ

ف مولانا شاہ احمد نورانی جو پاکستان قومی اسمبلی کے رکن اور جمعیت العلماء پاکستان کے پارلیمانی گروپ کے قائد ہیں انہی حضرت علامہ عبد العلیم میرٹھی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ (کوکب)

ثابت فرمایا کہ قرآن کے سائنس پر بے شمار احسانات ہیں۔ عشق و محبت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ ہر تیسرے سال زیارت روضہ اطہر کے لئے جاتے اور بار بار فرماتے کہ ہم نے "مدینہ ہی کو اپنا مرقد بنانا ہے"۔ رب تبارک و تعالیٰ نے اس آرزو کو پورا فرمایا اور ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ انگریزی اور فرانسیسی زبان میں بہت سے رسائل لکھے ہیں۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں تبلیغی دورہ فرما کر اعلیٰ حضرت کے پیغام کو پھیلایا۔ "تاریخ تمدن انڈونیشیا" میں خاص طور پر آپ کا تذکرہ ہے۔ سیدی مرشد برحق اعلیحضرت نے آپ کے لئے ارشاد فرمایا ؎

عبد علیم کے علم کو سنکر جہل کے بہل بھگاتے یہ ہیں

سرکار اعلیٰ حضرت آپ کو "علیم الرضا" فرمایا کرتے اور آپ کے رفیق خاص تلمیذ و خلیفہ مرشد برحق حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قادری رضوی کو اعلیٰ حضرت "حبیب رضا" فرمایا کرتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما۔

۱۰۔ سلطان الواعظین حضرت علامہ و مولانا شاہ عبدالاحد صاحب قادری رضوی خلف ارشد حضرت اسد السنہ علامہ مولانا شاہ محمد وصی احمد صاحب محدث[1] سورتی بانی مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت رحمۃ اللہ علیہما

آپ نے علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے فرمائی اور سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے شرف بیعت و خلافت پایا۔ بہترین مناظر اور قادر الکلام مقرر تھے ان کا لقب سلطان الواعظین ہے ۱۳۴۸ھ میں پیلی بھیت میں انتقال فرمایا۔ تحریک شدھی میں نہایت انہماک سے تبلیغی کام کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ

[1] محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد کے حواشی معانی الآثار طحاوی پر شائع ہو چکے ہیں۔ (دکو کب)

کے تبلیغی کیمپ، رکاب گنج آگرہ میں سیدی وسندی مفتی اعظم ہند[1] مدظلہ العالی
کے ساتھ رہے اور شردھانند کی تحریک شدھی کو ناکام بنا دیا۔ سرکار اعلیٰ حضرت
ان کے لئے ارشاد فرمائے ؎

ایک اک وعظ عبدالاحد پر کتنے نتھنے پھلانے یہ ہیں،

۱۱۔ مفتی اعظم ہند ناصر الاسلام علامہ الحاج آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین محمد عرف مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری نوری مسند نشین آستانہ عالیہ رضویہ دامت برکاتہم العالیہ

آپ اوائل ۱۳۱۰ھ میں تولد ہوئے۔ پیدائش کے وقت آپ کا نام بھی محمد رکھا گیا
آل الرحمٰن محی الدین القاب اور ابوالبرکات کنیت ہے، دوسرا نام مصطفیٰ رضا خاں ہے
ابتدا میں اپنے برادر بزرگ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب سے
تعلیم پائی اور بعد میں اپنے والد ماجد سیدی امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت قدس سرہٗ
سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی۔ دارالافتائے الرضویہ میں ۱۳۲۸ھ سے فتویٰ کی خدمت
انجام دے رہے ہیں اور اہل سنت میں مفتی اعظم ہند سے یاد کئے جاتے ہیں۔ فقہ میں جواب
نہیں رکھتے۔ صورت و سیرت میں اعلیحضرت کی مکمل تصویر ہیں۔ باوجود ضعف و کمزوری
کے اب بھی بسا اوقات بیس بیس گھنٹے تبلیغ، رشد و ہدایت اور فتویٰ نویسی پر خرچ فرما دیتے
ہیں۔ آپ کی تالیفات کثیر ہیں اور "الفتاوی المصطفویہ" بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ مسند
ارشاد پر آپ ہی فائز ہیں۔ رضویوں کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ ؏

مصطفیٰ ہے مسندِ ارشاد پر کچھ غم نہیں

ارض ہند میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم میں مرجع خلائق ہیں۔ رب تبارک و تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے۔

[1] یعنی اعلیحضرت کے صاحبزادے مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی دامت برکاتہٗ (کوکب)

۱۲- مفتیٔ اعظم سی پی و برار برہان الملۃ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ سید محمد عبد الباقی برہان الحق صاحب قادری رضوی جبل پوری مدظلہ الاقدس

آپ حضرت عبد السلام[1] قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند ہیں اور سرکار اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے شاگرد عزیز اور محبوب خلیفہ ہیں۔ ان دنوں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کی نیابت فرما رہے ہیں۔

شیخ طریقت ہیں اور کئی زبانوں کے عالم، رشد و ہدایت کا سلسلہ وسیع ہے۔ سی پی و برار میں دین کی جو خدمات آج آپ انجام دے رہے ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

بنارس کانفرنس میں پورے حلقہ اثر کے ساتھ شامل ہوئے۔ ان دنوں مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ کے صدر ہیں۔

رب کریم عمر میں درازی عطا فرما کر رشد و ہدایت کے اس مرکز کو قائم رکھے۔ حق یہ ہے کہ سی پی کے علاقے میں جہاں مسلمان چھ فی صدی سے بھی کم ہیں یہ آپ ہی کا حصہ ہے کہ پورے اعتماد و قوت سے تبلیغ فرما رہے ہیں۔

سرکار اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے حضرت سیدی مفتی اعظم ہند مدظلہٗ اور سیدی مفتی اعظم سی پی مدظلہٗ دونوں کو ایک ہی شعر میں جمع فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

آل الرحمٰن برھان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

[1] یعنی مولانا شاہ سید محمد عبد السلام قادری رضوی قدس سرہٗ جن کا تذکرہ پیچھے اندراج ۲ میں گذر چکا ہے۔ (کوکب)

۱۳- ضیاء الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد ضیاء الدین صاحب مدنی مدظلہ الاقدس

آپ مدینہ منورہ میں تقریباً پینسٹھ سال سے سلسلہ رضویہ کی تبلیغ فرما رہے ہیں۔ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے نہایت معتمد علیہ خلیفہ ہیں۔ اصلاً آپ سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آباد ہو گئے ہیں۔ ممالک عربیہ میں ان کا بڑا فیضان ہے۔

۱۴- خال معظم حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خاں صاحب خلف ارشد حضرت استاذ زمن مولانا شاہ حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی مدظلہٗ

آپ اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص تلمیذ و خلیفہ ہیں اور سرکار اعلیٰ حضرت کے برادر زادے اور داماد بھی ہیں۔

رام پور میں مدرسہ ارشاد العلوم سے کتب درسیہ کی تکمیل فرمائی۔ حضرت علامہ ظہور الحسین صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ متعدد کتب کے مصنف اور کتاب "اسباب زوال" کے مؤلف ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ عمر دراز عطا فرمائے۔

سرکار اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے ؎

دے حسنین وہ تفضیح ان کو   جس سے بہت کھسیاتے یہ ہیں

۱۵- مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ الحاج ابو البرکات سیّد احمد شاہ صاحب خلف اصغر حضرت شیخ المحدثین مولانا شاہ ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب الوری

آپ حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب سے شرف تلمذ اور حضرت سیدی شاہ ابو احمد علی حسین شاہ صاحب اشرفی سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے خلافت سلاسل حاصل ہے. حدیث کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی. مسلک کی پختگی میں بے نظیر ہیں۔

بنارس کانفرنس میں شریک رہے. مولا کریم آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے آپ دارالعلوم حزب الاحناف میں شیخ الحدیث ہیں

۱۶۔ فقیہہ اعظم حضرت علامہ سیدی مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب قدس سرہٗ (کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ)

آپ اعلیحضرت بزرگ ترین خلفاء میں تھے. سیالکوٹ کے مغرب میں کوٹلی لوہاراں میں آپ کا مزار شریف ہے. بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں. مولانا ابوالنور[1] مدظلہ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ آپ کو سرکار اعلیٰ حضرت سے والہانہ محبت و الفت تھی۔

۱۷۔ محترم المقام حضرت علامہ ابو محمد مولانا امام الدین صاحب قادری رضوی کوٹلوی

آپ فقیہہ اعظم سیالکوٹی کے برادر عزیز ہیں اور سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ و خلافت رکھتے ہیں۔ ابھی چند سال ہوئے کہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے ہیں۔ آپ کے لخت جگر نور نظر قرۃ العین مولانا محمد الیاس صاحب بھی سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

۱۸۔ عالم حقانی مولانا سید فتح علی شاہ صاحب کھروٹہ سیداں قدس سرہٗ

آپ کو حضرت امام اہل سنت رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت تھی۔ آپ خلافت سلسلہ رضویہ سے نوازے گئے۔ شیخ طریقت ہیں اور وسیع حلقہ اثر رکھتے ہیں سابق

---

[1] یعنی رئیس الواعظین حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب دامت برکاتہ. حنفیت کی اشاعت اور تبلیغ و موعظت میں انکی بڑی خدمات ہیں۔ وعظ و تقریر کا ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں جس کا آغاز سلطان الواعظین حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی مرحوم و مغفور سے ہوا تھا (کوکب)

پنجاب میں ہزاروں مرید آپ کے پائے جاتے ہیں

۱۹۔ عالم باعمل حضرت مولانا سیّد علی اکبر شاہ صاحب

خلف حضرت ثانی لاثانی حافظ سیّد جماعت علی شاہ صاحب علی پوری قدس سرہٗ

آپ نے اپنی تکمیل آستانہ رضویہ بریلی شریف سے کی اور سیدی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے خاص کتب سبقاً سبقاً پڑھیں بڑے زیرک اور ذہین تھے۔ ابھی تین سال ہوئے علی پور شریف میں وصال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۰۔ منبع الفواضل مولانا سیّد محمد عبد الحئی[1] بن سیّد عبد الکبیر فاسی محدّث

بلاد مغرب (افریقہ) قدس سرہٗ

آپ بلاد مغرب کے رہنے والے ہیں۔ علوم دینیہ اور علم حدیث میں ساٹھ سے زائد کتب کے مصنف تھے بڑے پائے کے محدّث گزرے ہیں ۱۳۲۳ھ میں سیدی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت بزمانہ حج بیت اللہ حاصل کی۔ ان کا تذکرہ الاجازات المتینۃ میں ہے۔

۲۱۔ رئیس الفقہا حضرت علامہ مولانا شیخ صالح بن کمال مکی حنفی مفتی حنفیہ

مکۃ مکرمہ قدس سرہٗ

آپ سے سرکار اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے پہلی ملاقات ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ روز دوشنبہ بعد عصر کتب خانہ حرم شریف میں ہوئی اور پہلی ہی ملاقات ایسی باثر ہوئی

---

[1] یہ عبد الحی الکتانی "فہرس الفہارس" کے مؤلف ہیں۔ فہرس الفہارس، اسانید اور رجال کے موضوع پر ایک اہم ماخذ ہے دو مجلدات میں شائع ہو چکی ہے (کوکب)

کہ حلقہ ارادت و تلمذ میں شامل ہو گئے۔ حدیث و سلاسل طریقت کی خلافت سے شرف یاب ہوئے۔

آپ مکہ مکرمہ میں حنفیوں کے امام و مفتی اعظم رہے۔ بڑے فقیہہ اور فاضل تھے الدولۃ المکیۃ شریف کی تصنیف آپ ہی کے سوال پر ہوئی[۱] مفتی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ امام الافاضل حضرت علامہ سیدی شیخ الدلائل مولانا محمد سعید شافعی رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہٗ

آپ حرم شریف میں مسلک سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی و امام تھے ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے شرف تلمذ و خلافت حاصل فرمایا۔

۲۳۔ فاضل یگانہ حضرت علامہ سیدی شیخ عابد بن حسین مالکی مفتی مالکیہ حرم بیت اللہ قدس سرہٗ

آپ سیدنا امام دارالہجرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مفتی و امام تھے۔ سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف نسبت حدیث و خلافت رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے علماء و فضلاء کے مرجع تھے۔

۲۴۔ عزیز الاطبا حضرت علامہ حکیم سید محمد عزیز غوث صاحب قادری رضوی قدس سرہٗ

آپ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ان چیدہ تلامذہ میں سے ہیں جنہیں سرکار اعلیٰ حضرت بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ حضرت ملک العلماء[۱] کے ساتھی ہیں سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ کے ساتھ شرف خلافت رکھتے تھے بہت ہی

---

[۱] یعنی مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ مؤلف "صحیح البہاری" جن کا تذکرہ پیچھے اندراج ۳ میں کیا گیا ہے۔ (کوکب)

نیک خصلت سادات زیدیہ سے تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام[1] فی دارالسلام سے خصوصی تعلقات تھے۔ اواخر ۱۳۶۳ھ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے علاوہ مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ میں تقریباً نوّے اصحاب اعلیحضرت سے شرف تلمذ و خلافت رکھتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے تلامذہ و خلفاء ممالک پاکستان و ہند میں ایسے ہیں جن کا تذکرہ یہاں نہ آسکا۔ رب تعالیٰ نے اگر کوئی موقعہ دیا تو انشاء اللہ پھر عرض کروں گا فقیر اور فقیر کے برادر گرامی حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں صاحب شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ کو بھی سرکار اعلیٰحضرت سے بلاواسطہ شرف تلمذ و بیعت حاصل ہے

۲۵۔ حضرت مولانا شاہ سید سلیمان اشرف صاحب صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

قدس سرہٗ بھی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے جلیل القدر خلیفہ ہیں، آپ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے حسب ارشاد مسلم یونیورسٹی سے منسلک ہوئے، آپ رشد و ہدایت کے پیکر صداقت اور دیانت کے مجسمہ تھے۔ سیاسی بصیرت میں لاثانی تھے۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے[2]

---

[1] یعنی اعلیحضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ

[2] پروفیسر رشید احمد صدیقی بھی آپکے خاص تلامذہ میں ہیں انہوں نے اپنی کتاب "گنج ہائے گراں مایہ" میں حضرت مولانا سلیمان اشرف کی شخصیت کا مرقع نہایت عقیدت اور گداز سے مرتب کیا ہے، ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کی کتاب "المبین" کا نسخہ علامہ اقبال کو بھی ارسال کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد علامہ علیگڑھ تشریف لائے اور ایک دعوت میں مولانا سے ملاقات کے دوران المبین کی بہت تعریف کی۔ دیکھئے گنج ہائے گراں مایہ ص ۱۴ (کوکب)

۲۶- مفسر اعظم ہند حضرت مولانا الحاج محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں

نبیرہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور آپ کے برادر عزیز مولانا حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں قدس سرہما بھی سرکار اعلیٰ حضرت سے شرف خلافت رکھتے تھے۔ یہ دونوں نبیرگان سیدنا اعلیحضرت قدس سرہٗ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندگان ہیں۔ حضرت مفسر اعظم ہند صاحب[۱] تصانیف و تدریس و تبلیغ تھے۔ مدتوں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں شیخ الحدیث رہے حلقہ ارادت بہت وسیع ہے ۱۲ر صفر ۱۳۸۵ھ کو وصال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اور فرق باطلہ کی تردید و احقاق حق میں زندگی کو وقف کر دیا تھا اس زمانے کے فرقہ ارتداد شدھی تحریک سے لیکر مودودیت پرویزیت تک سب محاذوں پر پورے عزم و پختگی ارادہ سے نبرد آزما رہے۔ متعدد تصانیف سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی زبان میں رب تبارک و تعالیٰ نے بڑا اثر دیا تھا۔ کتنے ہی غیر مسلمین دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تیئس سال مسند رشد و ارشاد پر فائز رہے۔

۲۷- شمس المعارف حضرت مولانا سید غلام جان صاحب جام جودھپوری قدس سرہٗ

یہ سرکار اعلیٰ حضرت کے اجلہ تلامذہ و اعاظم خلفاء میں تھے سب سے پہلے انہیں نے منظوم سوانح حیات "ذکر رضا" شائع فرمائی۔

۲۸- حضرت علامہ ابو الفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی قدس سرہٗ

آپ نے بریلی شریف رہ کر سرکار اعلیٰ حضرت سے کسب فیض فرمایا اور رفتار تلامذہ میں شامل ہوئے ۲۴ر صفر ۱۳۷۸ھ کو لاہور میں وفات پائی۔ ھنجروال ملتان روڈ میں آپ کا مزار مرجع الخلائق ہے۔ مریدین کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔

---

[۱] اعلیحضرت کے ترجمہ پر آپ کی ایک ضخیم تفسیر ماہنامہ "اعلیحضرت" میں بالاقساط شائع ہوتی رہی۔

[۲] معراج نبوی پر آپ کی ایک تالیف "سیاح لامکاں" اور تصوف پر متعدد تصنیفات طبع ہو چکی ہیں۔ (اکوکب)

جناب بشیر احمد صدیقی، لیکچرر

شعبہ اسلامیات ۔ پنجاب یونیورسٹی

نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہِ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین

یوم رضا کی اس مبارک تقریب میں فقہ اسلامی کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے "فقہ اسلامی اور اعلیٰحضرت کی فقہی بصیرت" کے عنوان پر چند گذارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ۔

فقہ کے لغوی معنی سمجھنے اور جاننے کے ہیں ۔ اصطلاحی معنوں میں فقہ سے مراد ان اسلامی قوانین یا احکام شرعیہ کا علم ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں مستنبط کیے گئے ہوں ۔

اگر ہم اس وسیع و عریض کائنات میں غور و فکر کریں تو معلوم ہو گا کہ زمین و آسمان شمس و قمر، شجر و حجر غرضیکہ کائنات ارضی و سماوی کی ہر شے ایک مقررہ قانون خداوندی کے مطابق سرگرم عمل اور اپنے فرائض کی بجاآوری میں مصروف ہے ۔ چنانچہ احسن تقویم میں تخلیق پانے والے مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات انسان کے لئے بھی ایک ایسے اساسی قانون کی ضرورت ناگزیر تھی جو اُسے انداز حیات یا طریق حیات کے ان روشن اصولوں سے آشنا کرتا جس سے انسان ایک کامیاب و کامران زندگی بسر کر کے اپنے خالق و مالک کی خوشنودی ("رضوان من اللہ") حاصل کر سکے، چنانچہ انسانی زندگی کی رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے ۔ ارشاد ربانی ہے :-

"شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ"

چنانچہ امتِ مسلمہ کو پروردگارِ عالم نے ایک کامل اور روشن ضابطہ حیات اور نعمتِ اسلام سے نوازا۔

اسلام دینِ فطرت ہے، دین کامل ہے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایک ضابطہ حیات۔ لہذا اس قانون کی بنیاد ایسے زرین اصولوں پر رکھی گئی ہے کہ تہذیب و تمدن سادہ ہو یا رنگین، ضروریات انسانی مختصر ہوں یا زیادہ مسائل و وسائل حیات قلیل ہوں یا کثیر، یہ اصول انسانی زندگی کے سب گوشوں میں یکساں طور پر تابانی کے ساتھ رہنمائی کر سکیں۔ چنانچہ قانون اسلامی کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اوّل وحی REVELATION اور دوم عقل REASON وحی وہ قانون ہے جو قرآن حکیم کی صورت میں محفوظ ہے۔ ھدًی للعالمین ہے، شفاءٌ لما فی الصدور ہے جہاں آغازِ حیات اور انجام حیات کے اسرار کو بے نقاب کرتا ہے۔ وہاں اندازِ حیات کے منوّر راستے کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ آج جب کہ دیگر صحف سماوی تحریف کا شکار ہو چکے ہیں اس کا لفظ لفظ اور حرف حرف محفوظ ہے۔ ہدایت ربّانی کا یہ نچوڑ اپنی مسحور کن صوتی تاثیر کے ساتھ ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے۔

اسلامی قانون کے اس سرچشمہ یعنی خداوند قدوس کی اس عظیم اور جلیل و جمیل کتاب کی جو تعبیر فہم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی وہ سنّت کہلائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم میں خطا کا احتمال نہیں کیونکہ یہ فہم مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کے فیضان وحی سے بہرہ ور ہے لہذا قرآن حکیم اور وحی ربّانی کی سب سے عمدہ تشریح و تعبیر اور وحی ربّانی پر مبنی، عقل و حکمت کا سب سے عظیم مجموعہ سنّت نبوی ہے۔

قانون اسلامی کے انہی دو بنیادی مآخذ کی روشنی میں مختلف حالات میں نئے ابھرنے والے اور پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے دینی بصیرت اور عقل و دانش سے کام لینا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اگر اس اجتہاد پر صحابہ کرام یا صالحین علمائے امت کا اتفاق ہوا تو اسے اجماع کے نام سے تعبیر کیا گیا اور اگر کسی شخص نے کتاب و سنت کی روشنی میں انفرادی طور پر اجتہاد کیا تو اسے قیاس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ فقہ اسلامی کے یہ چاروں مآخذ ہیں جو اصول فقہ، مآخذ فقہ، اصول اربعہ یا ادلہ اربعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسلام کا تصور اجتہاد ہی ہے جس سے یہ ایک فعال دین اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کی شاعری کا محور امت مسلمہ میں بیداری اور ان کے اندر اجتہادی بصیرت کا احیا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے THE PRINCIPLE OF MOVEMENT IN THE STRUCTURE OF ISLAM میں اجتہاد کی اہمیت کو ان زریں الفاظ میں اجاگر فرمایا۔

"WHAT THEN IS THE PRINCIPLE OF MOVEMENT IN THE NATURE OF ISLAM? THIS IS KNOWN AS IJTIHAD."

قرآن حکیم اور ارشادات نبوی میں جا بجا تفقہ، تفکر، تدبر اور تعقل سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ علماء امت میں اشیاء پر غور و خوض اور ان کے علل و اسباب کا تجزیہ کرنے کا ملکہ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ نبی اکرم نہ صرف خود متشابہ معاملات پر غور و خوض فرماتے اور ایک مسئلے کی علت دوسرے مسئلے میں پائے جانے پر وہی حکم نافذ فرماتے بلکہ آپؐ نے اس دینی بصیرت کی تعریف بھی فرمائی اور اس کی اہمیت پر یہ کہہ کر

مہر تصدیق ثبت کردی کہ مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔

آپ نے فقیہہ کی فضیلت کو ان زریں الفاظ سے تحسین بخشی۔ فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔

آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لئے یہ خاص دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔

چنانچہ ان کے لئے آپ کی یہ دعا، حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے وقت اجتہاد کی اجازت دینا۔ دین میں تفقہ کو خیر سے موسوم کرنا، فقیہہ کو عبادت گذار پر فضیلت دینا خود اپنے آپ کو معلم کہنا۔ ان تمام امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے دین کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے وحی ربانی اور اس کی عظیم القدر تشریح یعنی سنت کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کو عقل و دانش سے حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

چنانچہ اجتہاد ہی وہ قوت ہے جس سے آوارگی رائے سے ہٹ کر اور کتاب و سنت کی روشنی سے مستنیر ہو کر قوانین اسلامی وضع ہوتے رہے اور قانون اسلامی کو دنیا بھر کے تمام قوانین پر فوقیت حاصل ہوئی۔ اس کی فوقیت کا اعتراف خود اغیار تک نے کیا ہے۔ اٹلی کا مشہور ماہر محقق" اس امر کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ یورپ کے موجودہ قانون کا ارتقا، اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مبنی قانون اسلامی کی خوشہ چینی کا مرہون منت ہے، دور حاضر کے مشہور ماہر قانون اینڈرسن نے اسلامی قانون کا مغربی قانون سے مقابلہ و موازنہ کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے۔" اسلامی قانون، مغربی قانون سے کہیں زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ ایک مغربی قانون دان کی نگاہ میں قانون کا دائرہ صرف ان امور تک محدود ہے جو زیادہ سے زیادہ عدالت میں طے کئے جاتے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں لیکن اسلامی قانون انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے"

تمثیلی انداز میں فقہ اسلامی کے ادوار کا مختصر خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ

فقہ کا طفل نوخیز حضور کے زمانے میں تولد ہوا۔ اکابر صحابہ کی گود میں پرورش پائی۔ صغار صحابہ نے اسے چلنا سکھایا۔ تبع تابعین نے اسے نوجوانی تک پروان چڑھایا۔ عہد عباسی میں شباب کی جولانیاں دکھانے لگا۔ ۶۵۶ھ میں اس کے قویٰ مضمحل ہونے شروع ہوئے اور زوال بغداد کے بعد تو یہ شیخ فانی ہو کر رہ گیا۔ البتہ موجودہ صدی سے اس کی رگوں میں نیا خون محسوس ہوتا ہے اور تازہ زندگی کے آثار رونما ہونے لگے ہیں۔

امت مسلمہ میں ہر دور میں فقہائے کرام نے اپنی خدمات جلیلہ سے شجر اسلام کی آبیاری فرمائی۔ انہی عظیم القدر ہستیوں میں سے ایک بہت بڑی شخصیت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کی ہے جو دور حاضر کے فقیہہ اعظم ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمتہ کی ولادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بریلی میں ہوئی۔ تاریخی نام "المختار" ہے۔ آپ نے اپنا سن ولادت اس آیہ کریمہ سے استخراج فرمایا۔ "اُولٰئِکَ کَتَبَ فِی قُلُوبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُم بِرُوحٍ مِّنْہُ" لفظ مختار اور آیہ کریمہ میں ایدہم بروح منہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بشارت تھی کہ علیم و خبیر خداوند قدوس آپ کو خصوصی برکت و سعادت اور دینی بصیرت سے نوازے گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ چودہ سال سے کم عمر میں ہی تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کر کے آپ مسند افتا پر متمکن ہوئے۔ پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ایک ہزار سے زائد تصانیف کا ذخیرہ علمی، نیز ان تصانیف میں سے ہر تصنیف کے موزوں اور مصنف کے مسلک و مقصد کی نشاندہی کرنے والے عربی نام سے، نیز مسائل کی تحقیق و تدقیق میں آپ کے اضافات سے آپ کے تبحر علمی کی عکاسی ہوتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں آپ کی فقہی بصیرت پر شاہد عادل ہیں

اعلیحضرت کے فتاویٰ پر مشتمل اس مایہ ناز تصنیف کا عربی خطبہ علم و ادب کا عظیم شاہکار اور نادر نمونہ ہے۔ فقہ کی مشہور کتب حضرت فقہائے کرام کے اسمائے گرامی اور

فقہ کی اصطلاحات کو سلسلہ حمد و نعت و مناقب میں اس عمدگی سے پرویا ہے کہ جہاں ایک طرف آپ کی اکابر فقہائے کرام سے وابستگی اور فقہ کے مآخذ سے براہ راست رابطے کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ خطبہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور تبحر علمی کا ایک روشن ثبوت ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر والجامع الکبیر لزیادات فیضہ المبسوط الدرر الغرر بہ الھدایۃ ومنہ البدایۃ والیہ النھایۃ، بحمدہ الوقایۃ ونقایۃ الدرایۃ وعین العنایۃ وحسن الکفایۃ۔ الیٰ اخرہٖ

راقم الحروف فتاویٰ رضویہ کی صرف پہلی چار جلدوں سے مستفیض ہو سکا ہے، آپ کے فتاویٰ اور آپ کی اجتہادی بصیرت کا حلقہ کس قدر وسیع ہے۔ اس کا کچھ اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل فتاویٰ کا تعلق صرف طہارت کے مسائل سے ہے۔ ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل فتاویٰ صلوٰۃ سے متعلق ہیں۔ "تیمّم کی تعریف اور ماہیت شرعیہ جیسے مختصر سوال پر آپ کا مدلّل مضمون قریباً تین سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ وضو کے ضمن پانی کی ۳۰۶ وہ اقسام بیان کی ہیں جن سے وضو جائز ہے اور ۱۲۵ وہ اقسام بیان کی ہیں جن سے وضو جائز نہیں۔ اس کے علاوہ ردّ المختار پر آپ کی تعلیقات فقہ اسلامی کی گراں قدر خدمت ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے دیکھنے سے اس فقیہ اعظم کی گہرائی نظر و وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

آپ کی تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جب کوئی استفتا یا سوال آپ سے کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب ایک مبسوط رسالے کی صورت میں دیا۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ حج کے موقع پر پانچ سوالوں پر مشتمل ایک

استفتاء کا جواب[1] جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے آپ نے صرف ۸ گھنٹوں کی دو مجلسوں میں مکمل کیا۔ اگرچہ آپ کے پاس کوئی کتاب موجود نہ تھی لیکن آپ نے متعدد کتب و فتاویٰ کے حوالہ جات اس صحت کے ساتھ درج فرمائے ہیں کہ پڑھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ آپ کی ان تحریرات و فتاویٰ کو دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ کام اس تعمّق اور اس تیز رفتاری کے ساتھ کسی شخص واحد سے ممکن ہے۔

تبحر علمی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے اور جسے فقہ کا ہر طالب علم ہدیۂ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ آپ کے اجتہاد کا طریق کار اور عجز و انکسار ہے۔ تحقیق مسائل کیلئے آپ سب سے پہلے قرآن حکیم کی بکثرت آیات سے استدلال فرماتے۔ پھر مسئلے کی توضیح و تشریح کے لئے احادیث کریمہ سے شواہد پیش فرماتے۔ پھر فقہائے کرام کے اقوال و کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالہ جات اس کثرت سے بیان فرماتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ جب مسئلہ پورے طور پر منقح ہوجاتا تو پھر اپنی تحقیقات تدقیقات و افاضات وافادات اقوال لکھکر بیان فرماتے۔ آپ کے فتاویٰ کی صرف پہلی جلد میں ۳۵۳۶ جگہ پر آپ نے اقوال لکھکر تحقیق و تدقیق کی لاثانی مثال پیش کی ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے خود اپنے فتاویٰ سے متعلق اس تبحر علمی کے باوجود آپ کے یہ الفاظ زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

"وما کان فیہ من الخطا فمنی ومن الشیطن وانا اعوذ بربی واعوذ الیہ"

---

[1] یہ جوابِ استفتا کتابی شکل میں الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ پوری تالیف عربی زبان میں ہے، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو استفتاء وصول ہوا اور حرم شریف کے مفتی احناف صالح بن کمال رحمۃ اللہ نے اعلیحضرت قدس سرہٗ کو باصرار کہا کہ ۲۶، ۲۷ ذی الحجہ دو دن میں جواب مکمل ہوجانا چاہیئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (کوکب)

نیز آپ نے فرمایا :۔

"ان لم یحظر ببالی قط انی من العلماء او زمرۃ الفقھاء" بلکہ آپ نے فقہائے کرام کا خوشہ چیں بننے میں فخر محسوس کیا۔ "فمنھم اخذ ومنھم استفیض"۔ آپ میں جرأت اجتہاد اس کے آداب سے کماحقہ آگہی کے ساتھ ساتھ اصل ماخذ سے گہری وابستگی کا اظہار آپ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"وانا اعرف حیث یحل للمتقل ان یقول اقول ۔ ففی میدانی اجول والیہ احول وما عونی وصولی الا باللہ ثم بالرسول ثم بالسادۃ القادۃ الفحول"

اعلحضرت کے تبحر علمی اور فقہی بصیرت کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو مسلکاً آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب کے معاون ملک غلام علی صاحب نے آپ کی فضیلت علمی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ابتک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔"

اعظم گڈھ یوپی سے شائع ہونے والا ماہانہ مجلہ معارف میں آپ کی فقہی بصیرت کو ان الفاظ میں ہدیہ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

"مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم مصنف اور فقیہہ تھے۔ انہوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن عزیز کا سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انہوں نے دیئے ہیں۔ ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحات کے ہیں۔ فقہ اور حدیث پر ان کی نظر بڑی وسیع ہے۔ ان فتاویٰ

میں بعض نئے پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں۔ جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت سے دیا ہے۔"

آپ کی فضیلت علمی اور دینی بصیرت کا اعتراف' برصغیر پاک و ہند میں ہی نہیں بلکہ حرمین طیبین کے مفتیان مذاہب اربعہ یعنی احناف، مالکیین، شوافع اور حنابلہ نے کیا۔ اس کے علاوہ مصر و شام، عراق و یمن، الجزائر، نابلس، طرابلس، اردن وغیرہا ممالک عربیہ اسلامیہ کے کثیر فضلاء علماء بھی آپ کی فقاہت اور علمی برتری کے معترف ہیں۔ لیکن صد تعجب ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی وہ شخصیت جسے آفاق عالم میں یہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی خود ان کے اپنے اکثر و بیشتر ہم مشرب سنی حضرات ان کے صحیح علمی مقام سے قطعاً بے بہرہ اور نا آشنا ہیں وہ انہیں صرف ایک عاشق رسولؐ اور مداح رسول کی حیثیت سے ہی جانتے ہیں۔ مجھے اس امر سے انکار نہیں کہ :-

"مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

کی پرکیف و نغمہ بار صدا جب فضاؤں میں بلند ہوتی ہے تو کیف و مستی جذب و شوق اور روحانی سرور و انبساط کی وجد آور کیفیت روح کی گہرائیوں میں تحلیل ہو کر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کو فروغ بخشتی ہے۔ لیکن کیا ایک فقیہہ اعظم اور ملت اسلامیہ کے عظیم محسن کی گرانقدر خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ آج جب کہ مولانا آزاد کے کارناموں کا جائزہ لینے کے لئے آزاد اکیڈمی یا حکیم الامت کے افکار کو عام کرنے کے لئے اقبال اکیڈمی اور اسی قسم کے بے شمار ادارے معرض وجود میں آچکے ہیں میری تجویز یہ ہے کہ اعلحضرت کے فقہی خدمات کو منظر عام پر لانے نیز فقہ اسلامی کے میدان میں ریسرچ اور نئے پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے رضا اکیڈمی کا قیام عمل میں لانا چاہیئے۔

اگرچہ معمول یہ ہوگیا ہے کہ علامہ اقبال کے چند اشعار پڑھ کر مسلمانوں کی بالخصوص سنّیوں کی

بے حسی کا رونا رویا جاتا ہے اور پھر حسرت بھری آہ پر بات ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ وقت تاسف کا نہیں کام کرنے کا ہے۔ مسائل کا حل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا پکار کر کہہ رہی ہے:۔ ؎

ابن مریم ہوا کرے کوئی
مرے دکھ کی دوا کرے کوئی

لہذا لا تایئسوا من روح اللہ کے ارشاد باری کے مطابق میرے خیال میں یاسیت و قنوطیت کا شکار ہونے کے بجائے میدان عمل میں سرگرم عمل ہونا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال علیہ الرحمۃ:

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

شیخ حبیب الرحمٰن صاحب پراسیکیوٹنگ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس
(حال متعینہ محکمہ انٹی کرپشن) لاہور

اعلیحضرت کی ایک کرامت

اِن حروف کے تحریر کرنے میں نہ ذاتی نمائش کا جذبہ کارفرما ہے اور نہ ہی کسی کی بے جا توصیف مقصود۔ بلکہ اس کے محرک خود قبلہ جناب قاضی صاحب[1] ہیں ورنہ میرا اپنا حال تو کسی سے پوشیدہ نہیں ؎

نہ با ملاّ نہ با صوفی نشینم
تو میدانی کہ من آنم نہ اینم

اسی لئے میری یہ کوشش رہی کہ میری بے مائیگی۔ تہی دامنی، بلکہ بحیثیت ایک پولیس افسر میری تہی دامنی کا تار و پود فضا میں یوں سرِعام نہ بکھرے۔ میں ہر چند دامن بچاتا رہا۔ وہ اصرار فرماتے رہے۔ بالآخر اس خیال سے کہ ربِّ ذو الجلال والاکرام کی عطائے کریمانہ کا شکر اور اس کی صفت "علیٰ کلِ شیئٍ قدیر"

---

[1] جامع مسجد تلے شاہ کی خطابت کے دوران، احاطہ قادر بخش چیمبرلین روڈ کے میاں محمد یوسف مرحوم و مغفور میرے نہایت مشفق و مہربان دوستوں میں تھے۔ ان کی بچی کا نکاح جناب شیخ حبیب الرحمٰن (مضمون نگار) کے چھوٹے بھائی سے ہوا۔ یوں شیخ صاحب سے ملاقات اور تعارف کا موقعہ نکلا۔ بعد میں مجھے معلوم ہُوا کہ شیخ صاحب کا خاندان، بریلی میں اعلیحضرت کے پڑوس میں رہ چکا ہے تو میں نے شیخ صاحب موصوف سے باصرار درخواست کی کہ آپ اپنے تاثرات قلم بند فرمادیں۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ درخواست پوری کردی۔ (کوکب)

کا ذکر واجب ہی نہیں، ایک سعادت بلکہ عین عبادت ہے۔ میں نے یہ ندامت قبول کر لی۔

اس سلسلہ میں آپ کا ایک ارشاد گرامی یہ بھی تھا کہ واقعہ کے صحیح جائزہ کی خاطر والد مرحوم کے مختصر خاندانی حالات اور واقعہ کا پس منظر بھی بیان کیا جائے چنانچہ ٹٹول کرنے پر پایا گیا کہ خاندانی شجرۂ نسب تو کسی نے محفوظ نہ کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ گمنام افراد کی زندگیوں کے نشیب و فراز سے کسی کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تقویٰ کے سوا محض حسب و نسب دلیل بزرگی نہیں۔

بہر حال بزرگان خاندان کا بیان ہے کہ آپ (مورث اعلیٰ) عربی النسل تھے اور سلسلہ "خاندان قریش" سے منسوب چلا آتا ہے۔ آباؤ اجداد اللہ تعالےٰ سے ڈرنے والے انسان تھے۔ جن میں اکثر حافظِ قرآن، ذی علم اور پاکباز تھے۔ خوشنویسی خاندان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید تحریر کرنا اور محفوظ رکھنا بھی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ اس ذوق علمی کی وجہ سے قصبہ نگینہ ضلع بجنور (یو۔پی) میں جو ان کا آبائی وطن تھا اس خاندان کو "منشیوں کا خاندان" کی شہرت حاصل ہوئی۔ خود میں نے بچپن میں اپنے دادا جناب منشی غلام نجف مرحوم کا خود نوشت قرآن مجید کا نسخہ دیکھا اور اس کی تلاوت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پردادا محکمہ انہار میں ضلعدار تھے۔ دادا جان محکمہ سروے میں ملازم تھے۔ قبلہ والد محترم جناب شیخ زمرد الدین صاحب ابھی بہت کم عمر تھے کہ دادا جان کا انتقال ہو گیا لیکن دادی صاحبہ نے جو اسی خاندان سے تھیں حوصلہ نہ چھوڑا اور اولاد کی تعلیم جاری رکھی۔ بوجہ غربت کبھی کبھی ایسا وقت بھی آیا کہ گھر اپنے دو چشم و چراغ ہی سے روشن رہا مگر دیا جلانے کو تیل نصیب نہ ہوا۔ اس آزمائش کی گھڑی میں بھی دامن ہمت ہاتھ سے نہ چھوڑا اور حصول علم کی لگن نے والد مرحوم

کو اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل میں سڑک کی لالٹین کا سہارا لینے پر بھی اکثر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے مڈل کا امتحان پاس کر لیا اور دادا جان کے استحقاق کے باعث محکمہ سروے میں آپ کو ایک ملازمت مل گئی۔ آپ کو ترقی کا شوق تھا چنانچہ آپ نے امتحان پٹوار بھی پاس کیا اور انگریزی زبان کی طرف بھی توجہ فرمائی اور بالآخر محکمہ انہار میں آپ کو ایک معقول ملازمت مل گئی اور آپ کا تبادلہ ۱۹۱۹ء میں بریلی ہو گیا۔ قبلہ نانا جان کے پڑوسی ایک دینی عالم تھے خود والد مرحوم کی بھی نگینہ کے علماء سے راہ و رسم تھی۔ چنانچہ اُن کی وساطت سے بریلی میں ایک مکان کرایہ پر اعلیٰ حضرت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کی رہائش گاہ سے ملحقہ ہی مل گیا اور اس طرح ان کو اعلیٰ حضرت سے استفادہ کا موقعہ فراہم ہوا۔ مستورات کی ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت اکثر رہتی۔ حتیٰ کہ بقول والدہ مرحومہ دن کے وقت اُن کی مستورات از حد پیار و محبت کے سبب مجھ کو اپنے گھر ہی رکھتی تھیں۔

اس ماحول میں میری پرورش باعث برکت ثابت ہوئی۔ والد محترم پر اسلامی رنگ پوری طرح غالب آ گیا۔ نماز پنجگانہ کی باجماعت ادائیگی اور قرآن پاک کی تلاوت آپ کی عادت بن گئی جو آخر دم تک قائم رہی۔ آپ سچائی کے پرستار اور جھوٹ سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ وضع دار۔ باوفا اور غریب پرور انسان تھے۔ علم ہی کو سب سے بڑی دولت سمجھا اور اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں تمام زندگی کوشاں رہے۔ قرآن پاک کی تعلیم تمام بچوں کو دلائی۔ مجھے مکتب میں پڑھایا اور حفظِ قرآن کا میرے لئے بھی انتظام فرمایا لیکن میری بدنصیبی کہ جب دس پارے حفظ کر چکا تو ٹائیفائڈ کا شکار ہو گیا اور مجبوراً یہ سلسلہ ختم کرنا پڑا۔ بہر حال والدین کی دعائیں اور اعلیٰ حضرت کی توجہ خاص کو شرف قبولیت ہوا۔ اب ہم چار بھائی بفضلہ گزیٹڈ آفیسر اور دو آسودہ حال تاجر ہیں۔ خود والد مرحوم بھی بوقت قیام پاکستان

بہ عہدہ کمپیوٹر ریٹائرہ ہوئے جو آپ کے شعبۂ ڈرائنگ کا محکمۂ انہار میں سب سے اعلیٰ عہدہ تھا اور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو بمقام حیدرآباد سندھ انتقال فرمایا کچھ عرصہ بعد والدہ محترمہ کو بشارت ہوئی کہ ان کا بھی وقتِ آخر قریب ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی حیدرآباد کا سفر اختیار کیا اور وہیں انتقال فرمایا۔

بہ سال ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ میرے دانت نکلنے کا زمانہ تھا۔ عمر اس وقت تقریباً ایک سال ہوگی۔ والدین کے بیان کے مطابق میں اُس وقت بہت کمزور ہوچکا تھا۔ بخار کی زیادتی تھی۔ رفتہ رفتہ بیماری شدت پکڑ گئی اور نمونیہ کی شکل اختیار کرلی۔ سانس رک گئی۔ حتیٰ کہ والدین نے مجکو مُردہ قرار دے دیا اور رضائی میں لپیٹ کر علیحدہ رکھ دیا اور خود اس صدمہ سے نڈھال ہوگئے۔ میں اکلوتا بچّہ تھا اعلیحضرت کو بھی اس المناک واقعہ کا علم ہُوا تو آپ غمگین ہوئے۔ شاید یقین نہ آیا۔ علالت کی تفصیلات دریافت فرمائیں۔ چند تعویذ عطا فرمائے اور ہدایت فرمائی کہ ان کی دھونی ناک میں دی جائے۔ چنانچہ حسب ارشاد تعمیل ہوئی۔ اُدھر تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اچانک رضائی کے اندر سے میرے رونے کی آواز سنائی دی۔ والدہ محترمہ نے دوڑ کر منہ سے رضائی ہٹائی تو حیران رہ گئیں۔ میں دوبارہ زندہ ہوچکا تھا۔ ہر طرف ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ شاید اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ خدائے عزّوجل نے اپنی قدرت کاملہ اور رحمت سے مجھ کو ایک مرتبہ پھر زندگی عطا فرمائی۔

یہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور دعاؤں ہی کا ثمرہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے والدین کی نیک تمنائیں بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوئیں۔ میں اب تک اعلیحضرت کی برکتوں کا اثر اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔ میری عمر اس وقت تقریباً پچاس سال سے کچھ زائد ہے۔ زندگی کے ہر اہم موڑ پر اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور

دیگر صالحین کے صدقہ میں میری مدد و رہبری فرمائی اور ہر شر سے اب تک محفوظ رکھا ہے اور آئندہ کے لئے نیک امیدیں رکھتا ہوں۔ اب موجودہ حال یہ ہے کہ گذشتہ چھ سات سال سے میں اپنے اندر ایک روحانی انقلاب محسوس کرتا ہوں۔ بشارت اور بصیرت کا سلسلہ جاری ہے جن کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ البتہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ چار یا پانچ سال ہوئے مجھے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں اور میں ان کے سامنے بیٹھا ہوں۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا ہوا ہے اور حاضرین مجلس سے بیعت کے متعلق مشورہ فرما رہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مجھے اپنی کوتاہیوں بلکہ سیاہ کاریوں کا شدید احساس ہے اور توبہ و استغفار میں ہمہ وقت مصروف ہوں لیکن ان خامیوں کے باوجود اللہ جل جلالہٗ کی بے اندازہ کرم نوازیاں اور آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے شمار انوار رحمت اپنے اندر پاتا ہوں تو انگشت بدنداں ہو کہ یہ شعر دل ہی دل میں پڑھنے لگتا ہوں اور ندامت سے سر جھکا لیتا ہوں ؎

غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟

بریلی میں ہمارا قیام ۱۹۴۷ء تک رہا۔ ایک دو مرتبہ اعلیٰ حضرت کے عرس مبارک میں شرکت کا اتفاق بھی ہوا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے علماء حاضر ہوتے۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں بڑی عقیدت سے منعقد ہوتی تھیں۔ درود و صلوٰۃ کی ٹولیاں ہر طرف سے کشاں کشاں آپ کے مزار مبارک کی طرف جاتی دیکھیں۔ لوگ جوق در جوق عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔ مساجد میں آپ کے عقیدے کی تبلیغ نہایت انہماک سے کی جاتی تھی۔ اس وقت آریہ سماج کے ساتھ

مذہبی مناظروں کا رواج عام تھا۔ بچوں کے لئے دینی مدارس ہر محلہ اور ہر مسجد میں جاری تھے۔ جس سے دین کی حفاظت اور اشاعت میں بہت مدد ملی۔ آپ کی درس گاہ کا تمام ہندوستان میں شہرہ تھا۔ طالب علم ملک کے ہر خطہ سے کثرت سے بریلی آتے تھے۔ اکثریت بنگالی طلبا کی ہوتی تھی۔ قرأت کی تعلیم کا بھی خاص اہتمام تھا۔ نو مسلموں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا جاتا اور مختلف محلوں میں ان کو مدعو کر کے اُن کے خیالات کو بڑے شوق سے سنا جاتا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کی کن کن خوبیوں نے ان کو مذہب اسلام قبول کرنے میں متاثر کیا۔ بہرحال اعلیٰ حضرتؒ کی تبلیغِ اسلام کی کوششیں بہت گراں قدر تھیں۔ جنھوں نے نہ صرف مسلمانانِ ہند کے عقیدہ کو مستحکم کیا بلکہ غیر مسلموں کو بھی کافی متاثر کیا جن سے آپ کے اخلاقی، علمی اور روحانی کمالات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

(تبصرہ: ضیائے حرم جنوری ۱۹۷۱ء)

مقالات یوم رضا (حصّہ اوّل)

ناشر : دائرۃ المصنّفین

صفحات ۱۴۲

قیمت (عمدہ کاغذ مجلّد) ۲ روپے ۷۵ پیسے

انیسویں صدی عیسوی میں برعظیم (پاک وہند) کے مسلمانوں کے سیاسی زوال کا عمل اپنے نقطہ انجام کو پہنچ رہا تھا۔ وہ قافلہ جو ۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد یتیم ہو گیا تھا اُسے کوئی قائد نصیب نہ ہوسکا۔ چنانچہ اندرونی خلفشار، بیرونی حملوں اور انگریز کی عیاریوں نے اسلامیان ہند کی شوکت و عظمت اور قوت کے سورج کو تقریباً ڈیڑھ صدی کے عرصے میں سیاہ بادلوں میں اوجھل کر دیا۔ یعنی مسلمانوں کے سیاسی زوال کا عمل ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء جاری رہا، تاآنکہ ہند میں عظمتِ اسلاف کا شعلہ ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی صورت بس ایک چندھیا دینے والی لپک پیدا کر کے خاموش ہو گیا۔ عیار انگریز نے سیاسی محاذ پر قابو پانے کے ساتھ مسلمانوں کی دینی اور تہذیبی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سکیمیں بھی جاری رکھیں۔ وہ ملّت جس میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شیخ عبدالحقؒ محدّث دہلوی اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے رشد و ہدایت اور حریت فکر کے چراغ روشن کئے تھے۔ اس ملّت کے اجڑے ہوئے آشیانے سے کسی وقت بھی بال و پر والے شاہین پیدا

ہو سکتے تھے۔ اس لئے انگریز نے اس آشیانے کے ہر ہر تنکے کو بکھیر دینے کی آخری کوشش جاری رکھی۔ انگریز نے مسلمانوں کے اندر عقیدہ و فکر کی ہم آہنگی اور وحدت سبوتاژ کرنے کے لئے ایک طرف مسلمانوں کے اندر براہ راست اور بالواسطہ ایسی تحریکوں کو فروغ دیا۔ جن سے مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ اختلافات کے نئے زاویے پیدا ہونے لگے۔ عشقِ رسالت کے عقیدے کو کمزور کرنے کی سازش پروان چڑھی اور اکابر قائدین ملت کی حق گوئی کی روایت کے سلسلے کو منقطع کرنے کے لئے بزرگانِ دین سے عقیدت و محبت کی بنیادوں پر شکوک و شبہات کے کلہاڑے چلائے گئے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے اندر سے مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے ہوتا رہا۔ دوسری طرف انگریز نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے پادریوں، مبلغوں کی فوج کی فوج پورے ہندوستان میں پھیلا دی اور ان کی مناظرہ بازی کا رخ بھی صرف مسلمانوں ہی کی طرف تھا۔ ہندو مذہب سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا بلکہ اسی زمانے میں برہمنوں اور پنڈتوں کو بھی ابھارا گیا اور وہ بھی اپنے تیر کمان سنبھال کر اہل اسلام کے خیموں پر تیر اندازی کرنے لگے۔ یہ وہ سیاسی اور فکری پس منظر تھا جس وقت امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء بریلی میں پیدا ہوئے اور ہوش سنبھالتے ہی فضا کی ان تاریکیوں اور سازشوں کے خلاف ہر محاذ پر نبرد آزما ہو گئے۔ "مقالات یوم رضا" میں انہی مولانا احمد رضا کی شخصیت اور کارنامہ ہائے حیات کے مختلف پہلوؤں پر ٹھوس معلومات سے پُر نہایت قیمتی مقالات شامل ہیں۔ یہ کتاب لاہور میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا قادری کے اڑتالیسویں یوم وصال کے موقع پر منعقد ہونے والے پہلے تاریخی جلسۂ یوم رضا کے موقع پر ۲ رجون ۱۹۶۸ء کو دائرۃ المصنفین لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس میں ایک مختصر سوانحی خاکہ اور پانچ مستقل مقالات ہیں۔ اس کتاب کے مرتب مولانا قاضی عبدالنبی کوکب

ہیں۔ شروع میں مرتب کی طرف سے تقریباً ۲۳ صفحات پر مشتمل "تقدیم" ہے۔
اس میں مرتب نے بعض نہایت نازک پہلوؤں پر معتدل انداز میں افہام و تفہیم کے انداز میں بحث کی ہے۔ مخالفانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہونے والے پڑھے لکھے غیر جانبدار طبقے میں پھیلنے والی والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لئے یہ تقدیم بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ تقدیم اور سوانحی خاکے کے بعد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی کا ایک معرکۃ الآرا خطبہ شامل کیا گیا ہے جو آج سے کوئی گیارہ برس قبل ناگپور میں "یوم ولادت احمد رضا" کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ مقالہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ یہ ایک ایسی ہستی کا ہے جس نے مولانا احمد رضا کو سالہا سال تک بڑے قریب سے دیکھا۔ اس مقالے میں اعلیٰحضرت کے علمی مقام اور عبقری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی رضوی صاحب کا مقالہ "رضا کا مقام فقہ" دیا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے نہایت عالمانہ اور تحقیقی انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ رسالہ مفتی صاحب کا ایک یادگار نامہ ہے۔ اس کے بعد کتاب میں مولانا قاضی عبدالنبی کوکب کا مقالہ "حب پیغمبر کی دنیائے جمیل" کے عنوان سے موجود ہے۔ "محبت رسول" ایمان کے لئے لازمی بنیاد ہے بلکہ حضور سرور انبیا، کی حدیث ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (رسول اکرم) اس کے نزدیک اس کی اولاد سے، اس کے والد سے اور دنیا بھر کے لوگوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔"

ہمارا عام زندگی میں مشاہدہ ہے کہ محبت کا تعلق تو جذبات انسانی سے ہے اور مال و دولت اولاد اور والدین دیگر دنیاوی رشتوں کی محبت تو طبعی طور پر ہماری طبیعت میں ودیعت ہے تو کیا پھر اللہ کا آخری دین بندوں سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو خلاف فطرت ہے؟ لیکن نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ بات سمجھنے سے تعلق

رکھتی ہے اور مذکورہ پندرہ صفحات کے مقالے کے ابتدائی چار پانچ صفحات میں اسی مسئلے پر نہایت احسن طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہے اور محبت رسول کی کیفیت اور تقاضے بیان کرنے کے بعد پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زندگی میں محبت رسول کے عنصر اور اس کی کارفرمائی کا بہت کمال تجزیہ اور تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ ان مقالات میں سے ایک ہے جو انسان کے عقل و شعور کو بھی جلا دیتے ہیں اس کے بعد "مولانا شاہ احمد رضا خاں اور ان کے رفقاء کی سیاسی بصیرت" کے عنوان پر حکیم محمد موسیٰ صاحب کا مقالہ ہے۔ یہ عالمانہ مقالہ جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے ہماری ملی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے مگر ایک آدھ مضمون میں تو اس نوعیت کے موضوع پر اجمالی بحث ہی ممکن ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر کئی مستقل کتابوں کی ضرورت ہے۔ آخری مقالہ مولانا احمد رضا کی نعت گوئی پر ہے۔ نعت گوئی حقیقت میں ایک نہایت مشکل فن ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو سراسر عشق رسول میں ڈوبا ہو اور دوسری طرف شریعت کی حدود بھی اس کے سامنے ہوں۔ مولانا کوکب کے مقالے کے ساتھ نعت گوئی پر جناب عابد نظامی کے اس مقالے کا مطالعہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے ایک خاص پہلو سے بھرپور آگاہی بخش دیتا ہے۔ کتاب کے آخر میں مرتب نے مولانا احمد رضا قادری کی تحریروں (نظم و نثر) سے اقتباسات درج کر کے نہایت بلیغ اور واضح انداز سے بعض خوفناک غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام کتابوں سے قدرے بڑے سائز کے ڈیڑھ صد صفحات کی یہ کتاب ہماری مسلکی اور ملی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کتاب نے اہل سنت کو علمی اور ادبی میدان میں ایک منطقی اور تاریخی انداز دیا ہے۔ یہ کتاب خوبصورت رنگین ٹائٹل کے ساتھ سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے اور اس کی قیمت دو روپے پچھتر پیسے ہے۔

مقالاتِ یومِ رضا حصہّ دوم

ناشر : دائرۃ المصنفّین

صفحات : ۸۴

قیمت : (نیوزپرنٹ) ایک روپیہ

(سفید کاغذ) ڈیڑھ روپیہ

امسال اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا قدس سرہٗ کے پچاسویں عرس کے موقعہ پر دائرۃ المصنفین لاہور کی طرف سے **مقالات یوم رضا** حصہ دوم شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب میں پیرزادہ سیّد کرم شاہ صاحب ازہری، علامہ عبدالستار خاں صاحب نیازی اور مولوی ابراہیم علی چشتی مرحوم ایسے اہل علم کے تین اہم مقالات شامل ہیں۔ دو سال قبل جب صداقتِ اسلام کے زیر اہتمام یوم رضا کا پروگرام بنایا گیا تھا تو اس وقت منتظمین جلسہ نے ملک کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے معروف اہل علم سے یوم رضا کے لئے پیغامات بھجوانے کی درخواست کی تھی۔ ایسے پندرہ مقتدر اصحاب کے پیغامات بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی (مرحوم) پیر عبدالرحیم بھرچونڈی شریف، علامہ سیّد ابوالبرکات، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ڈاکٹر پیر محمد حسن مفتی انتظام اللہ شہابی، محمد ایوب قادری (کراچی) پیر صاحب لسیّ شریف، سیّد مغفور القادری (مرحوم) اور بہزاد لکھنوی ایسے افراد کے پیغامات بھی شامل ہیں۔ یہ تحریریں بلاشبہ تحریری ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہیں اور کتاب کے آغاز میں پانچ صفحات پر مشتمل مرتب کی طرف سے "تقدیم" لکھی گئی ہے جس میں بعض ان کاموں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں جنہیں دو برس قبل منائے جانے والے

یوم رضا کے جلسہ عام اور مقالات یوم رضا (حصہ اوّل) کی اشاعت کے اثرات قرار دیا جا سکتا ہے۔ مقدمہ کے بعد اس کتاب میں لاہور کے پہلے تاریخی جلسہ یوم رضا کا آنکھوں دیکھا حال بھی درج ہے، یہ روئداد روزنامہ "سعادت" لائلپور میں شائع ہوئی تھی اور کتاب میں وہیں سے نقل کی گئی ہے، یہ روئداد دلچسپ اور اچھوتے انداز کی حامل ہے۔ دائرۃ المصنفین نے اپنی تالیفات (مقالات یوم رضا ہر دو حصص) کے ذریعے امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت اور ان کی عظیم خدمات کے تعارف کا آغاز جس انداز میں کر دیا ہے اس کے پیش نظر امید واثق ہے کہ برعظیم کے اس عظیم دینی راہنما کے بارے میں ہمارے دیرینہ تغافل کا ازالہ احسن طریقے سے ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں اہل سنت کے علمی حلقے دائرۃ المصنفین اور اس کے نگران مولانا کوکب کے ممنون ہیں مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ سلسلہ خیر جاری رکھا جائے اور اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

ملنے کا پتہ: رضا اکیڈمی۔ دائرۃ المصنفین (مبارک سنز سٹیشنرز) ۸۔ اردو بازار لاہور

قاضی عبد النبی کوکب کی دیگر تصنیفات

زندگی کی راہیں قرآن میں

قرآن حکیم سے ایک مختصر اور جامع نصاب جس میں عملی زندگی سے متعلق آیات جمع کیگئی ہیں طلبہ و طالبات کی دینی تربیت کیلئے اور درس قرآن کی خدمت انجام دینے والے اساتذہ اور مبلغین کیلئے اس کتاب سے استفادہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ ہدیہ - چھ روپے صرف

یاد شہید

یاد شہید میں مصنف نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات اور سانحہ کربلا کی مختصر تاریخ مستند حوالوں کی مدد سے مرتب کی ہے۔ اور آخر میں اس سانحہ عظیم کے اسباب و محرکات پر بحث کی ہے اور مختلف مکاتب فکر کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں مصنف نے واقعات کی صحت اور دلائل میں توازن برقرار رکھا ہے اور اپنے آپ کو کہیں بھی افراط و تفریط یا جذباتیت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ اس اعتبار سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے"

قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے — تبصرہ روزنامہ امروز ۱۹ جولائی ۱۹۵۹ء

تحقیق قربانی

مسئلہ قربانی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے والی معرکتہ الآرا کتاب، قربانی کے موضوع پر پہلی جامع معیاری اور فیصلہ کن تصنیف

قیمت مجلد دو روپے

شاہ جیلان

غوث صمدانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی زندگی اور ملی خدمات پر علمی و تحقیقی کتاب (دوسرا ایڈیشن مع اضافات جدیدہ، زیر طبع)

دائرۃ المصنفین، مبارک سنز سٹیشنرز - ۸ اردو بازار، لاہور